U 32007

title - Bazm-E-Khayal ; Yaani Shoray Farsi Urdu Ke Ashaar Ka Lateef Majmua

creator - Ali Safdar Mirzapuri ; Munshi - Murattib

Publisher - Northern India Printing Press (Lucknow)

Date - 1918

Pages - 184

Subjects - Urdu Shayari - Intikhab ; Mauzoowaar ; Urdu Shayari - Intikhab ; Bait Baazi

بسم اللہ الرحمن الرحیم

...ھا تھا وہ دل کہ جسکی ازل میں نمود تھی — پہلی جھلک اٹھی نظر انتخاب کی

بزم خیال

یعنی

...عرائے فارسی و اردو کے اُن اشعار کا لطیف مجموعہ جن سے کوئی دلچسپ قصہ

یا لطیفہ کا تعلق ہے

جسکو

...نیائے اُردو کے مشہور سخنور جناب منشی صفدر علی صاحب صفدر مرزاپوری

...ولف مرقع ادب، دور فلک، و مشاطہ سخن وغیرہ نے بڑی کوشش و

کاوش سے تالیف فرمایا

اور

جناب منشی نواب علی صاحب کے حسن انتظام سے چوتھی بار

ناردرن انڈیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع ہوا

تعداد طبع (۱۰۰۰) سنہ ۱۹۱۸ء قیمت [illegible]



M. MAHADEO PRASAD.

فہرست

لطائف شعرائے فارسی

لطائف شعرائے اردو

۷۸۶

(تہدیہ)

مین اپنی اس ناچیز کتاب "بزم خیال" کو نہایت خلوص وارادت کے ساتھ اپنے ادب نواز علم دوست محسن۔ **عالی جناب بابو مہادیو پرشاد صاحب شوق** - جنرل مرچنٹ (لکھنو) کے نام نامی پر معنون کرنیکی عزت حاصل کرتا ہون۔

اس وجہ سے نہین کہ وہ ایک دولت مند سوداگر یا لکھنو کے ایک معزز رئیس ہین بلکہ اس بنا پر کہ موصوف علم ادب سے سچی محبت رکھتے اور اہل کمال کی قدر فرماتے ہین۔

پس جناب شوق کے نام کے ساتھ اس کتاب کا انتساب حقیقتاً بہت مناسب و موزون ہے۔

للہ الحمد ٹھکانے لگی محنت میری

بے ہنر۔ صفدر۔ مرزاپوری

دیباچہ زرّین

بزم خیال جسکو آپ اب دیکھنے والے ہین اسکے حُسن قبول کا یہ کیا کم ثبوت ہے کہ آج ملک مین پہلی بار نہین بلکہ چوتھی بار پیارے ناظرین کے سامنے نئے انداز سے آراستہ ہو کر جلوہ آرائے ادب ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے نہ اُسکے مؤلف جدید تعریف و تعارف کی حاجت رکھتے اور نہ اُنکی یہ تالیف لطیف "بزم خیال" کسی سفارش کی محتاج۔

جناب صفدر کے دماغ و قلم کی جدت آفرینی و جدت طرازی کے لیئے کافی ہے کہ آپ ذرا بزم خیال کو پڑھنا شروع کر دیجیئے ایک لطیفہ پڑھکے خواہ مخواہ جی چاہیگا کہ لاؤ ایک دو دیکھ لین اور یہ سلسلہ کتاب ختم کیئے بغیر کوشش کرنے پر بھی ختم نہ ہوگا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس مین جسقدر کتاب کی خوبی و لطافت کو دخل ہے اُسی قدر آپ اپنی خوش مذاقی اور نکتہ نوازی کو بھی شرط لازمی سمجھیئے۔

"بزم خیال" کہنے کو تو صرف اُن اشعار کا مجموعہ ہے جن سے کسی لطیف قصہ یا دلکش لطیفہ کو تعلق ہے مگر اُن لطائف کو یکجا کرنے مین جناب صفدر نے جو کوشش کی ہے اسکا صحیح اندازہ کام کرنے والون ہی کو ہو سکتا ہے۔

لطف بیان و زبان سے زیادہ ہم جناب صفدر کے دماغ کی داد دیتے ہین کہ جب کوئی بات اُس مین آتی ہے تو نئی اور جب کچھ اُسے سوجھتی ہے تو انوکھی۔ وہ ارباب ادب کی دلچسپیونکا بہت اچھا سلیقہ رکھتے ہین۔ اُنکی طبیعت کچھ ایسی ندرت کی طرف

باقی ہے کہ مشکل سے کسی اور کا خیال اُدھر رجوع ہوتا ہوگا انکی اچھوتی سوجھ بوجھ کی گواہ ایک بزم خیال ہی نہین بلکہ مرقع ادب اور مشاطۂ سخن دو اور شاہد عادل موجود ہین۔ بین ناظرین سے یہ کیون کہون کہ آپ انھین بھی دیکھئے۔ خود بزم خیال اور آپ کا حسن مذاق دونون مجبور کرین گے مگر آپ صرف مجبور ہی نہ ہونگے بلکہ مسرور بھی۔ کیونکہ ع

رنگ خود بول اُٹھیگا کہ یہ مال اچھا ہے

بزم خیال کو پڑھتے پڑھتے آپ کے کانون مین ایک آواز بے صدا محسوس ہوگی کہ مین ہی سرمۂ معفت نظر نہین۔ مشاطۂ سخن اور مرقع ادب بھی چشم خریدار کے لیئے سامان منت واحسان لیئے ہوے ہین۔

(صفدر)

شعر

کہان ہین آئین ادھر دل کے وار کرنے والے
بکھر چکے مرے گیسو سنوارنے والے

ناچیز
محوی لکھنوی۔
۱۵ جنوری ۱۹۱۸ء

تمہید

قسمت کیا ہر ایک کو قسّام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

ں واہب العطایا کی دین کے صدقے جسے جو چاہا اپنے گنجینۂ فیض سے بیدریغ بخشا۔ ینون کے حسن عالم افروز نے وہ دلکش دائین پیدا کین جسے قیامت کی ہنگامہ آرائی اگر دیکھ ے (اور تو کیا کہون) اس دونون ہاتھون سے کلیجہ پکڑکر رہجائے یوسف لقا معشوقون کے گھونگھٹ ن چھپے ہوئے تیر نظر جس خستہ جگر کے دل پر پڑے کلیجہ پار ہوتے ہوئے صاف نکل گئے۔ اگر زلیخا کے شینون نے لقاے یوسفی سے مبہوت ہوکر ترنج کے بدلے دست نازک کاٹ ڈالے تو کیا ال ہوا اخیر سے آج بھی دنیا مین ایسے فتنۂ محشر کے نمونے موجود ہین جنکو زلف نازک سے عتاب تبسم لمیان چلین سر کا زمین پر سنبل جلے کو نظر آئین کلیجے کے ٹکڑے ٹکڑے غریب لیے پھری ل ہوا۔ اگر آج عذرا کی جادو نگاہیان دیکھنے والی آنکھین سر دایرِ عدم مین محو خواب تبدیلی در تدریج اس زمانہ تک آ ہو چشم نگاہون کا عالم دیکھے ہر من تو بے تکلف کہہ اٹھتین کہ ق کی چشم انتخاب نے غلطی کی حضرت عذرا کی سی سیکڑون حسین اور دلآرام سے لاکھون لے حسن نمکین اس طبقۂ زمین پر گذر گئے سچ عرض کرتا ہون کہ لیلیٰ کی زلف گرہگیر اگر مجھے لی نے تو چاہے میری باتون کو کوئی مجذوب کی بڑ ہی کیون نہ سمجھے مگر صاف صاف عرض

کردونگار ع بلا سے زلف لیلیٰ جان مجنون کو مبارک ہو +
شیرین کی میٹھی میٹھی باتون نے کوہکن کے شربت حیات مین زہر ناکامی گھولا غریب
ضربت تیشہ سے سر پھوڑا راہی ملک عدم ہوا ایک کم مایہ سنگ تراش کا سراپردۂ شاہی
کے انتخاب ولاجواب شاہزادی پر حالت جوش الفت مین جان دینا حسن وعشق کے
کرشمے تھے اُس کی کشش اور اُس کی کاوش کچھ زمانے کی نگاہون سے چھپی نہین بعض
اوقات غربا کے جھونپڑون سے وہ دلربا صورتین نکل آئین ہین جنھون نے شاہون اور
شہریارون تک سے خط غلامی لکھوالیا ۔ اسپر بھی چین نہ آیا ۔ اُن کشتگان ناز کی
قبرون کو جولان گاہ حسرت بنا کے مٹی تک برباد کردی خدا جانے کتنے زیبا رو آتشین
خو نظر افروز چشم عشاق ہوئے اور نہین معلوم کسقدر عشاق نامراد با دل ناشاد
ان ظالمون کے ہاتھون مطمورۂ عدم مین دامان کفن سے منھ چھپائے ہوئے میٹھی نیند
سو رہے ہین اس گمنامی کے صدقے کہ کسی کو یہ بھی نہین معلوم کہ کس کا کون قاتل
ہے اور کس نے کس کے تیغ ادا کے وار کھا کر اس دنیا کو ہمیشہ کے لیئے خیرباد کہا
یہ زمانہ کی خوبی ہے کہ جسے چاہے بانسون پر چڑھا لے اور جسے چاہے قعر گمنامی
مین گرا لے مگر وہ بڑے فرخندہ بخت ہین کہ جنھین اس زمانے سے نیک نامی
کی سند دستیاب ہو گئی سخاوت و مہمان نوازی مین حاتم عدل و داد مین
کسریٰ شجاعت و بسالت مین رستم کے ہمپایہ کیا ہوئے ہی نہین مگر زمانے
کی مساعدت نے کچھ ایسا ان کا ساتھ دیا کہ آج بھی انکے نام فلک نام آوری
شہرت پر آفتاب تابان کی طرح چمک رہے ہین یہ حق ہے کہ کسی جوہر کی قدردانی
انسان کے نام کو مدتون تک صفحۂ ہستی پر یادگار بنا رکھتی ہے فی زماننا
ل کمال کے [illegible]ون کی [illegible] کا باعث بھی غالبًا قدردانون ہی کی ہے مگر نہین

تجربہ سے یہ خیال غلط ثابت ہوا - حق یہ ہے کہ زمانہ کو ناقدردان ٹھہرانا محض ہٹ دھرمی ہے بلکہ درحقیقت قابل قدر اشیا رہی کا قحط ہے ورنہ قدردانون کی کمی نہین ہے ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد
اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

یہ کتاب "بزم خیال" جو اسوقت آپ کے پیش نظر ہے اسکی شان نزول کا مختصر قصہ یہ ہے کہ سنہ ۱۹۰۶ء مین جب خاکسار مولف اپنے وطن مین تھا ایک روز خانصاحب محمد مصطفےٰ خان صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ مرزاپور کے نشست لب دریا پر بیٹھا ہوا تھا۔ احباب کا جمگھٹ تھا پر تکلف و سنجیدہ مذاق کا دفتر کھلا ہوا تھا۔ بندے نے بھی اثنائے گفتگو مین ایک شعر میر تقی میر مرحوم کا پڑھا جس سے اُن کی مرحومہ صاحبزادی کا قصہ متعلق تھا وہ یہ کہ اتفاق سے عین شب عروسی کو ان کی پیاری بیٹی دنیا سے چل بسی جب اُنھون نے سنا فوراً سینہ و سر پیٹ لیا اور میت کے سرہانے آکر دردناک لہجے مین فرمایا ؎

اب آ یاد دھیان اے آرام جان اس نامرادی مین
کفن دینا تمھین بھولے تھے ہم اسباب شادی مین

خانصاحب موصوف نے سنکر اسکا بہت اثر لیا فرمانے لگے کہ اس وقت کے تمھارے بیان سے دل پر ایک چوٹ سی لگی۔ اس حادثہ جانکاہ کی تصویر آنکھون کے آگے پھر گئی میرے خیال مین اب تک کوئی کتاب کسی نے اس قسم کی نہین لکھی کہ جسمین اس بات کا خاص لطف ہوا ور ہر قسم کے قصہ طلب اشعار ایک کتاب مین

پائے جائیں اگر تو کوشش کرے تو کیا عجب ہے کہ کوئی ایسی کتاب تیار ہو جائے
اور احباب نے بھی انکی رائے سے اتفاق فرماکر مکرر سکرر کے اصرار سے مری
ہمت بڑھائی۔ اُس روز سے مجھے فکر ہو گئی جہان کہین کسی کتاب مین کوئی ایسا
دلچسپ قصہ طلب شعر دیکھا فوراً کتاب یادداشت مین لکھ لیا۔ اور اکثر اشعار
جو بزرگون سے سُنے سُنا کے میرے تحمل حافظہ مین محفوظ تھے اُن کو بھی لکھ ڈالا کچھ
ایسی دھن بندھی کہ دو ہی ہفتہ مین ایک کتاب کی صورت پیدا ہو گئی۔ یہانتک
اس کتاب مین قصے تحریر ہین سب مستند اور تاریخی ہین کچھ میرے منگڑہت نہین
جھوٹ سچ کا الزام جسے تھوپنا ہو ان کے راویون کے سر تھوپے بندہ تو ناقل ہے
یہ کتاب بزم خیال تین بار چھپ کر نظر افروز قدردانان زبان اُردو ہو چکی ہے
یہ اس کا چوتھا اڈیشن ہے۔ اس مرتبہ مین نے فارسی و اُردو کچھ قصہ طلب
اشعار کا اور اضافہ کر کے اپنے بساط کے موافق دلچسپ بنانے کی کوشش
کی ہے منشاء اس تالیف کا محض خدمت زبان اُردو ہے آدمی ایک کام کو
مفید سمجھ کر اُس مین امکان بھر محنت کرتا ہے اُسکی محنت ٹھکانے لگ جائے
یہ مقدر کے ہاتھ ہے۔

قبول خاطر و لطف سخن خداداد است
خاکپائے شاعران
صفدر مرزاپوری از لکھنؤ

هُوَ الْعَزِیْز

بزم خیال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت سعدی علیہ الرحمتہ کی مقبولیت کلام کے نسبت ایک روایت ہے کہ ایک بزرگ نے خواب مین دیکھا کہ آسمان کے دروازے یکایک کھل گئے اور فرشتہ نور کے طبق لیکر زمین پر نازل ہوے اس بزرگ نے حیران ہوکر دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے فرشتون نے جواب دیا کہ سعدی کا ایک شعر جناب باری مین مقبول ہوا ہے اُسی کا صلہ ہے وہ شعر یہ ہے۔

برگِ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

اس عجیب ماجرے کے سُنتے ہی وہ بزرگ خواب سے بیدار ہوگئے اور اُسیوقت شیخ مرحوم کے عزلت خانے پر یہ مژدہ جان پرور سنانے گئے وہان دیکھا کہ آپ چراغ جلائے بیٹھے ہین اور جھوم جھوم کر کہہ رہے ہین۔

برگِ درختانِ سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

یہ حکایت نہایت مشہور ہے۔ چنانچہ اسی حکایت پر فیضی کے مخالفین نے

دلچسپ مضمون تراشا ہے کہ شیخ فیضی نے سُنا تھا۔ کہ سعدی علیہ الرحمۃ کو ایک شعر کے صلے مین اولیا ء کا رتبہ مل گیا۔ اُنھون نے کہا کہ آ ؤ ہم بھی ایک جستہ شعر کہکر ولی بنجائین۔ چنانچہ نلدمن کی تمہید لکھتے لکھتے یہ شعر کہا۔

در ہر بُن مو کہ سے نہی گوش
فوارۂ فیض او ست در جوش

یہ شعر اُنکو بہت پسند آیا اُس کو بار بار جھوم کر پڑھتے تھے اور سعدی مرحوم کیطرح صلہ کی توقع مین آسمان کیطرف دیکھتے جاتے تھے جب کئی بار پڑھا اور کوئی فرشتہ نور کے طبق لیکر نہ آیا تو آخر تنبہ بیقرار ہو کر آسمان کیطرف مُنہ اوٹھاکر یہ شعر بلند آواز سے پڑھا۔ اتفاقاً ایک چیل منڈیر پر بیٹھی ہوئی تھی فیضی کی آواز سُنکر اُڑی ہنگام پرواز بیچال چھوڑی جو اُنکے مُنھ پر آکر پڑی آپ جھنجلائے اور کہا بس معاف رکھیے شعرنھی عالم بالا معلوم شد۔ اُسپر لوگون نے اور حاشیہ یہ چڑھایا ہے کہ جب فیضی رومال سے مُنھ کو صاف کر رہے تھے تو پڑوس سے کسی نے یہ شعر پڑھا۔

جو کی تقلید خسرو کی تو کار کوہکن بگڑا
چلا جب چال کوّا ہنس کی اُسکا چلن بگڑا

اس واقعہ کی خبر جب عرفی شیرازی کو ہوئی تو اُس نے ہنس کر کہا۔ **مصرع**

اُنچہ انسان میکند بوزینہ ہم

سعدی کی نسبت کسی بزرگ کا خواب دیکھنا عقل یا تجربہ کے خلاف نہین۔ البتہ فیضی کی نسبت جو روایت ہے وہ سراسر لوچ دلچسپ معلوم ہوتی ہے اور جو شعر بیان کیا جاتا ہے کہ اتفاقاً کسی نے پڑوس مین پڑھ دیا وہ آتش کا مشہور شعر ہے۔ کہان فیضی کہان خواجہ حیدر علی آتش وہی مثل ہوئی ع

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا
الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا

یہ مضمون غالباً عبد القادر بدایونی کا تراشا ہوا ہے۔ (از حالات سعدی)

ایک دن شیخ سعدی علیہ الرحمتہ سے ایک شخص نے کہا کہ یار تم خود سیر ہو کر کھانا کیون نہین کھاتے. ہوتے ہواتے خواہ مخواہ بھوکے مرتے ہو جسقدر تم کھاتے ہو اگر بھوکے تو شاید تمہین نیند بھی نہ آئے اُسکے جواب مین آپ نے مسکرا کر یہ شعر پڑھا

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است   تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

اُس شخص نے کہا کہ یار ہم سے تو بھوک پیاس مطلق برداشت نہین ہو سکتی ہمارا تو یہ قول ہے کہ بھوکے رہنے سے سیر ہو کر مرنا بہتر ہے شیخ نے کہا کہ یہ تمہاری سراسر غلطی ہے اول تو خدا کا فرمان ہے کہ کم کھاؤ چنانچہ کُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا سے یہ بات مترشح ہوتی ہے۔ اور دوسرے یہ بات آزما کر دیکھ لو کہ جو شخص کم کھاتا ہے وہ بیمار نہین پڑتا ہے کیا تم نے خراسانی درویشون کی حکایت نہین سُنی اُس شخص نے کہا فرمائیے وہ کیونکر شیخ نے کہا کہ دو درویش خراسانی باہم سفر کو نکلے ایک اُن مین دوسرے دن کھانا کھاتا تھا اور دوسرا دن مین تین مرتبہ اتفاقاً ایک شہر مین اُنکا گذر ہوا وہان اُن پر کسی نے جاسوسی کی تہمت لگائی بیچارے دونون گرفتار ہو گئے اور بادشاہ کے حکم سے ایک کمرے مین قید کر دیئے گئے اور اُس کمرے کا دروازہ اینٹون سے چن دیا گیا ایک ہفتہ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ بیگناہ ہین چنانچہ فوراً اُنکی رہائی کا حکم ہوا مگر جب مکان کھولا گیا تو وہ بسیار خور عدم کو سدھار چکا تھا لیکن کم خور صحیح و سالم تھا۔

حضرت سعدی علیہ الرحمتہ کو تحصیل علم کا شوق کچھ اِس زور پر تھا کہ آپ نے اُسکے لیے اپنا وطن بھی چھوڑ دیا اگرچہ محبت وطن ایسی شے ہے کہ انسان اُس سے خالی نہین ہو سکتا مثل مشہور ہے ع حب الوطن از ملک سلیمان خوشتر مگر آپ نے تمام خیالات دل سے بھلا دیئے اور ریاضتین دیدہ گوش بغداد کی طرف

روانہ ہوئے چلتے وقت یہ اشعار آپ کی زبان مبارک پر تھے۔

دلم از صحبت شیراز بکلی بگرفت　　　　وقت آنست کہ پرسی خبر از بغدادم

سعدیا حب وطن گرچہ حدیثیست صحیح　　　　نتوان مرد بسختی کہ من اینجا زادم

ایکروز حضرت سعدی علیہ الرحمتہ شادی کے برخلاف وعظ فرما رہے تھے ایک شخص نے کہا دو ہیں سنت پیغمبر کو منع کرتے ہو، اس پر آپ نے فرمایا کہ آج ہمارے یہاں دعوت ہے جسوقت یہ کھانا کھانے آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ انکی بیوی بلائے ناگہانی کی طرح شیخ کے سر پر سوار ہے شیخ نے کہا بیوی غصہ کو تھوک دو اور ایک مہمان آیا ہے اس کے لیئے کچھ کھانے کا بندوبست کرو۔ اس خدا کی بندی نے ایک مٹی کی ہنڈیا اٹھا کر اس زور سے آپ کے سر پر رسید کی کہ گھیرا حمایل ہوگیا اسی حالت سے آپ باہر نکلے مہمان نے پوچھا کہ قبلہ گلے میں یہ کیا ہے جواب دیا کہ بھائی صاحب ع درگلویم سنت پیغمبر است۔ مزاج میں کسقدر ظرافت تھی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ چند درویشوں کا وزیر سلطنت کی طرف سے کچھ وظیفہ مقرر ہوا مگر اتفاقاً ان میں سے ایک نے کوئی ایسی حرکت کی جو خلاف شان درویشان تھی جس سے وزیر بدظن ہوگیا اور وظیفہ بند کردیا سب نے شیخ سعدی علیہ الرحمتہ سے التجا کی کہ تمھاری مدد درکار ہے ورنہ ایسی زندگی سے عار ہے آپ نے انکی درخواست کو منظور کیا اور وزیر کی ملاقات کو گئے دربانوں نے انکے پھٹے پرانے کپڑے دیکھکر دروازے پر روکا اتفاق سے وزیر کو اطلاع ہوگئی خود استقبال کیلئے نکل آیا اور بڑی عزت کے ساتھ اندر لے گیا اور صدر میں بیٹھنے کو جگہ دی آپ نے کہا معاف فرمائیے بندہ فقیر اس جگہ کے لائق نہیں ہے

بگذار کہ بندۂ کمینم تا در صفِ بندگان نشینم

وزیر نے کہا اللہ اللہ کر دیہ کیا بات ہے سہ

گر بر سر چشم من نشینی نازت بکشم کہ نازنینی

خیر آپ بجد اصرار کے بعد بیٹھے۔ ادھر اُدھر کی گفتگو کر کے حرفِ مطلب زبان پر لائے اور کہا سہ

چہ جرم دید خداوند سابق الانعام کہ بندہ در نظر خویش خوار میدارد
خدا پرست مسلم بزرگی و الطاف کہ جرم بیند و نان برقرار میدارد

وزیر اشارہ سمجھ گیا اور وظیفہ پھر جاری کر دیا۔ حضرت نے شکریہ ادا کیا اور چلتے وقت یہ قطعہ پڑھا۔

چو کعبہ قبلۂ حاجت شد از دیار بعید روند خلق بدیدارش از بسے فرسنگ
ترا تحمل امثال ما بباید کرد + کہ ہیچکس نزند بر درخت بے بر سنگ

حضرت سعدی علیہ الرحمۃ حسن پرست بھی تھے ایک دن یہ اپنے حجرے میں بیٹھے چراغ کی روشنی میں مطالعہ کتاب کر رہے تھے کہ انکے ایک دوست جو یوسف جمال اور خجستہ خصال تھے انکے ملنے کے لئے آئے آپ انکو دیکھکر جامے سے باہر ہو گئے اور فوراً تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے مگر اُٹھنے میں انکی آستین سے چراغ گل ہو گیا۔ آپ نے کہا مرحبا خوش آمدید اسکے بعد انھیں بڑے تپاک سے بٹھایا اور انکے آنے پر بہت مسرت ظاہر کی انکے دوست بیٹھ گئے لیکن انکو یہ خیال پیدا ہوا کہ شیخ نے دانستہ چراغ گل کر دیا ہے اسی پر کسی قدر آزردہ ہوئے اور کہا کہ تم نے چراغ کیوں بڑھا دیا۔ سعدی بھی حاضر جواب تھے کہنے لگے کہ میاں خفا نہ ہو دیا بڑھانے کے دو سبب ہیں ایک تو آپ کے

آنے سے ینے سمجھا کہ آفتاب طلوع ہوگیا اور دوسرے یہ کہ مجھے یہ قطعہ یاد آگیا۔

چہ گر آنی بہ پیش شمع آید
خبرش کن کہ در میان جمع بکش

در شکر خندہ است و شیرین لب
آستینش بگیر و شمع بکش

ایک دن حضرت سعدی علیہ الرحمتہ شیخ دمشق کی جامع مسجد مین یحیی علیہ السلام کی تربت پر معتکف تھے اتفاق سے وہان ایک بادشاہ جو بے انصافی و ظلم مین مشہور تھا آپہونچا اور نماز سے فارغ ہوکر شیخ کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ مجھے ایک دشمن سخت و ظالم زبردست کا خوف ہے آپ میرے حق مین دعا کرین کہ خدا مجھے اس اندیشے سے مخلصی بخشے آپنے کہا کہ جفا شعاری کو چھوڑ اور کمزور رعیت پر رحم کرتا کہ زبردست دشمن سے محفوظ رہے ؎

هر آنکه تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت
دماغ بیهوده پخت و خیال باطل بست

ایک دفعہ کا ذکر ہے اباقا خان جو ہلاکو خان کا بیٹا تھا اور چنگیز خان کا پوتا تھا شیخ سعدی علیہ الرحمتہ سے کہنے لگا کہ مجھے کچھ نصیحت کیجئے آپنے فی البدیہ یہ قطعہ پڑھا ؎

شہے کہ پاس رعیت نگاہ می‌دارد
حلال باد خراجش کہ مزد چوپانیست

وگرنہ راعی خلق است زہرمارش باد
کہ ہرچہ میخورد از جزیہ مسلمانیست

اباقا خان یہ قطعہ سنکر آبدیدہ ہوگیا اور کہنے لگا کہ مین راعی ہون کہ نہین آپنے سیدھی طرح کہا کہ اگر آپ راعی ہین تو پہلا بیت آپکے حسب حال ہے ورنہ دوسرا۔

حضرت سعدی علیہ الرحمتہ حسن پرست تو تھے ہی جہان کوئی کہین حسین شخص پاتے تھے آپ کو اسکے دیکھنے کا شوق وہان لیجاتا تھا شہزادہ اصفہان کے حسن صورت کا شہرہ سنکر آپکا دیدہ مشتاق ہوئے اسی آرزو مین آپ

شیراز سے اصفہان آئے جب وہاں پہونچے تو آپ نے ایک دن شاہزادے کے سائیس کو جو سواری مین جایا کرتا تھا بلایا اور یہ کہا کہ اگر اجازت دے تو آج مین بجائے تیرے سواری مین چلا جاؤن۔ اس نے منظور کر لیا۔ حسب معمول شہزادہ کے ہمراہ اوس کے مصاحبین بھی تھے جنکو اکثر ذوق سخن تھا بلکہ شہزادہ خود بھی شعر گوئی کا ذوق رکھتا تھا گاڑی اوڑی ہوئی چلی جا رہی تھی کہ شاہزادے کے گھونگھر والے بال ہوا کے جھونکے سے اوڑ اوڑ کر اوس کے کان کے پاس آنے لگے شاہزادے کی زبان سے بیساختہ نکل گیا ع زلف من خم شدہ در گوش سخن میگوید جو اُس وقت اسکے ساتھ تھے اونسے کہا کہ ہان اس مصرعہ پر مصرعہ لگاؤ یہ لوگ سوچنے لگے کہ آپ نے پیچھے سے کہا کہ اگر ارشاد عالی ہو تو اس مصرع پر مین مصرعہ لگاؤن شاہزادے نے استعجاب سے انکی طرف دیکھا اور نہین معلوم کیا خیال کر کے کہا اچھا تم مصرعہ لگاؤ۔ آپ نے یون مصرعہ لگایا۔

زلف من خم شدہ در گوش سخن میگوید   موبمو حال پریشانی من میگوید

شاہزادہ سنکر پھڑک گیا اور کہا کہ آپ سعدی ہین۔ اُنھون نے کہا بیشک پھر تو بڑی قدردانی و عزت افزائی کی اور گھر پہونچکر بڑے دھوم دھام کی دعوت کی اور بہت دن اپنا مہمان رکھا۔

ایک دفعہ شیخ سعدی علیہ الرحمتہ کاشغر کی جامع مسجد مین وضو کر رہے تھے اتفاقاً وہان ایک طالب علم مقدمہ زمخشری ہاتھ مین لیئے پڑھ رہا تھا "ضرب زید عمرو" آپ نے فرمایا صاحبزادے خوارزم و خطا مین صلح ہو گئی مگر زید و عمر مین خصومت ہنوز باقی ہے طالب علم نے ہنسکر شیخ کا وطن پوچھا جواب دیا کہ خاک پاک شیراز اُس نے کہا کہ سعدی کا کچھ کلام یاد ہو تو سناؤ آپ نے فی البدیہہ کہا

اے دل عشاق بدام تو صید
ما بتو مشغول و تو با عمرو زید

دوسرے دن آپ وہان سے چلدیئے اس طالب علم کو بعد مین کسی طرح سے معلوم ہوگیا کہ شیخ سعدی یہی ہین طالب علم بھاگتا ہوا آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ زہے نصیب جو حضور کی زیارت ہوئی حضور چندروز چل کر شہر مین قیام فرمائین کہ مین بھی خدمتگذاری سے مستفیض ہوں اور سعادت دارین حاصل کرون آپنے جواب مین یہ اشعار پڑھے

بزرگی دیدم اندر کوہسارے | قناعت کردہ از دنیا بغارے
چرا گفتم بشہر اندر نہ آئی | کہ بارے بند از دل برکشائی
بگفت آنجا پریرویان نغزند | چو گل بسیار شد پیلان بلغزند

جب شیخ سعدی علیہ الرحمتہ تبریز مین آئے آپ نے خواجہ ہمام تبریزی کا بہت شہرہ سُنا کسی نے آپ سے یہ بھی کہدیا کہ اُنکا ایک لڑکا یوسف ثانی ہے مگر ہمام اُس کو پردے مین رکھتا ہے اور اجنبی اشخاص سے اُسکو ملنے نہین دیتا اُسکے حسن و جمال کا شہرہ سُنکر آپ کو غائبانہ اشتیاق پیدا ہوا غرض اسی مطلب کے لیئے آپ پہلے ہی سے جاکر ایک حمام مین چھپ رہے جس مین اُس روز ہمام معہ اپنے پسر کے غسل کو جانے والا تھا۔ خواجہ ہمام اور اوس کے لڑکے کے داخل حمام ہوتے ہی شیخ صاحب گلیم درویشی اُتار کر سامنے کھڑے ہو گئے خواجہ ہمام کو یہ مداخلت بیجا ناگوار گذری اپنے لڑکے کو اپنے پیچھے چھپا لیا اور لڑکے کے آگے آپ کھڑا ہوگیا اور سعدی سے جھڑک کر پوچھا کہ تو کہان سے آیا ہے شیخ نے جواب دیا کہ خاک پاک شیراز سے ہمام نے کہا عجب است در شہر ما شیرازی

از سنگ بیشتر است آپ نے اوسکا جواب یون دیا۔ برعکس آن در شہر ما تبریزی از سنگ کمتر است اسی طرح شیخ مین اور خواجہ مین کچھ دیر نوک جھونک ہوتی رہی جب ہر طرح سے انکو غالب دیکھا تو منفعل ہو کر کہنے لگا کہ آخر بتلایئے شیراز مین خواجہ ہمام الدین کے اشعار بھی مشہور ہین کہ نہین سعدی نے کہا بیشک اُس نے کہا کہ اگر کوئی شعر یاد ہو تو پڑھو آپ نے یہ شعر پڑھا۔

درمیان من و محبوب حجاب است ہمام
دارم امید کہ از ہم زمیان برخیزد

مطلب یہ کہ ہمام میرے درمیان اور میرے معشوق کے درمیان ایک پردہ ہے مجھے امید ہے کہ بیچ سے یہ پردہ ہٹ جائیگا۔ خواجہ ہمام نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ سعدی ہین آپ نے کہا بیشک اسپر خواجہ نے معذرت کی اور کہا معاف کیجیگا مین نے پہلے نہین پہچانا تھا اس کے بعد اُس نے شیخ کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور اپنے لڑکے کو بھی شیخ کے دست بوسی کا اشارہ کیا اور اپنے گھر لیجا کر کئی دن تک مہمان رکھا۔

ایکدن ایک بے انصاف اور ظالم بادشاہ نے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ سے دریافت کیا کہ کون سی عبادت میرے لیئے بہتر و افضل ہے آپ نے فرمایا کہ تیرے لیئے یہی بہتر و افضل ہے کہ تو دوپہر تک سوتا رہا کر تاکہ اتنی مدت تک تو خلقت خدا تیرے ظلم و ستم سے بچی رہے اُسوقت آپ نے یہ اشعار بھی فرمائے ہین

ظالمے را خفتہ دیدم نیمروز | گفتم این فتنہ است خوابش بردہ بہ
وانکہ خوابش بہتر از بیداری است | آنچنان بد زندگانی مردہ بہ

آپ جھوٹ کے نزدیک کبھی نہین جاتے تھے بادشاہ ہو یا وزیر امیر ہو یا نواب

کسی سے نہ چوکتے تھے اور صاف صاف منھ پر کہدیتے تھے کیونکہ آپ کا تکیہ ہمیشہ اسپر رہا ہے ؎

راستی موجب رضائے خدا است ۔ کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کی طبیعت مین اگرچہ خاکساری بہت تھی مگر وہ خودداری حفظ مراتب و پابندی وضع کو کبھی ہاتھ سے نہ دیتے تھے ایک دفعہ اسکندریہ مین سخت قحط پڑا اس آفت ارضی و سماوی مین جو سختی درویشوں پر گذری اسکا ذکر ناگفتہ بہ ہے قحط کیا تھا اسکا یہ محشر تھا ایک ایک روٹی ہزار ہزار دینار کو بک گئی اُس زمانہ مین آپ اسکندریہ مین تھے اسی شہر مین ایک خواجہ سرا تھا جو نہایت دولتمند تھا اُسکے ہان غریبون اور پردیسیون کو کھانا اور نقدی ملا کرتی تھی۔ آپ کے رفقا آپکے پاس آئے اور کہا کہ چلو اُس حبشی کی دعوت مین چلین آپنے انکار کیا اور کہا کہ شیر بھوک کے مارے مر بھی جائے لیکن کتے کا جھوٹا کبھی نہین کھاتا اور یہ فرمایا ؎

دو نان از دست دونان بہان باشد سنان خوردن ٭

سنان در سینہ خوردن بہ کہ از دونان دو نان خوردن ٭

ایک مرتبہ **خواجہ علاء الدین** نے تبریز سے جلال الدین ختنی کو حکم لکھا کہ شیراز مین شیخ سعدی کو ایک ہزار دینار نذر کرو مگر اُسوقت جلال الدین کا انتقال ہوچکا تھا اس لیئے وہ رقم شیخ علیہ الرحمۃ کو نہ ملی شیخ کو جب حقیقت معلوم ہوئی تو یہ قطعہ لکھکر علاء الدین کے پاس بھیجا۔

بنام صاحب دیوان علاء دولت و دین ۔ کہ دین بہمت او ماہ و ہمی نازد

رسید بابت حرمت فرود سعدی را ۔ بسے بناز کہ سر بر فلک برافرازد

مثال داد کہ صد فتن جلال الدین | قبول حضرت او را تعہدی سازد
ولیک سر از خیال مرگ ناختہ بود | چنانکہ بر ہمہ ابنائے دہر می تازد
جلال زندہ نخواہد شد درین دنیا | کہ بندگان خداوندگار بنوازد
طمع بر ید مار زد در سر آسے عقبلے بود | کہ از مظالم مردم بمن نہ پردازد

یعنی میں نے جلال الدین سے آخرت میں بھی روپیہ وصول کرنیکی امید منقطع کردی ہے بھلا اسکو وہاں کے لوگوں کے استغاثوں سے میری طرف رجوع ہونیکی فرصت کاہیکو ملیگی

حضرت سعدی علیہ الرحمتہ کی طبیعت میں جنگجوئی نہ تھی اور نہایت صلح کل انسان تھے ایک دفعہ انکے ایک دوست نے ایسی حرکت کی جو آپ کے خلاف شان تھی اور جس کے باعث آپ بہت سخت بیزار ہوئے مگر جب آپکا غصہ فرو ہوا تو آپ نے یہ اشعار لکھکر اُسے بھیجدیئے۔

زما را در جہان عہد و وفا بود | جفا کردی و بد عہدی نمودی
بیکبار از جہان دل در تو بستم | ندانستم کہ برگردی بزودی
ہنوز ت گر سر صلح است باز آ | کزان محبوب تر باشی کہ بودی

ایک دفعہ حضرت سعدی علیہ الرحمتہ سفر کے تھکے ماندے ایک امیر کے مکان پر تشریف لیگئے وہاں اُسوقت شعر و شاعری کی مجلس گرم تھی اصحاب جلسہ اپنا اپنا کلام سُنا رہے تھے۔ آپ سے بھی فرمایش کی گئی انکا اُسوقت بھوک سے قافیہ تنگ تھا۔ کہنے لگے کہ بس ایک شعر پر اسوقت اکتفا کرتا ہوں سنیے کیا فرمایئے آپ نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا

من گرسنہ در برابرم سفرۂ نان
ہمچو عزبم بر در حمام زنان

صاحب خانہ نے اسوقت کھانے کا حکم دیا دسترخوان بچھایا گیا اور گرم روٹی لونڈی نے لاکر رکھی۔ آپ روٹی پر اس طرح گرے جیسے کئی دن کے بھوکے تھے امیر نے کہا کہ جناب ذرا توقف فرمائیے کوفتے بھن رہے ہیں آپ ہنسے اور کہا ؎

کوفتہ بر سفرۂ من گوشتس
کوفتہ را نان تہی کوفتہ است

ایک روز کا ذکر ہے کہ کسی نے حضرت سعدی علیہ الرحمتہ سے پوچھا کہ تصوف کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اس سے پہلے تو یہ ایک گروہ تھا جو بظاہر پریشان" تھے اور باطن میں دجمع" اور اب وہ ایسا گروہ ہے جو ظاہر میں دو جمع" اور باطن میں دو پریشان" اور پھر اسوقت یہ قطعہ موزون کر کے پڑھا

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل | بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی
درت مال و جاہست و زرع تجارت | چو دل با خدا ست خلوت نشینی

واضح ہو کہ تصوف وہ علم ہے کہ اسمیں ذات وصفات باریتعالی کی بابت بحث کی جاتی ہے تاکہ علم صالح سے خدا کو حاصل کریں اسکا موضوع ذات وصفات خداوند تعالی ہے اور اس علم کی غایت یہ ہے کہ علم صالح سے انسان کو نفیحت ہو پس شیخ سے سائل کے حال کا مطلب یہ تھا کہ وہ کیا چیز ہے کہ جس سے تصوف تحقیق ہو سکتا ہے اسکا جواب شیخ نے یہ دیا کہ تصوف علم صالح سے تحقیق ہو سکتا ہے جس سے انسان بظاہر پریشان ہوتا ہے مگر باطن میں اُسے جمعیت حاصل ہوتی ہے پھر ساتھ ہی یہ بھی کہدیا کہ آج کل الٹا حال ہے لوگ نمازیں پڑھکر اور روزہ رکھکر دکھاوا کرتے ہیں اور ظاہر پر کھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ انکی خاطر جمع ہے مگر باطن میں پراگندہ خاطر ہوتے ہیں۔

حضرت حافظ شیراز (رح)

امیر تیمور لنگ نے ایک مرتبہ بلبل شیراز جناب حافظ علیہ الرحمتہ کو بلوا کے پوچھا کیون حضرت یہ سمرقند و بخارا تو میرا ہے آپ نے جو یہ لکھا ہے

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل ما را بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

تو آپ اس کے دینے والے کون حافظ علیہ الرحمتہ نے اسکے جواب مین جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے

"ہم بدین غلط بخشی ہاست کہ بفقر و مسکنت میگذارم"

مطلب یہ کہ ایسی ہی غلط بخشیون سے مین فاقہ مست ہو رہا ہون۔ امیر تیمور لنگ آپ کے اس جواب پر مسکرائے اور بہت خوش ہوئے اسیوقت آپ کو خلعت فاخرہ سے سرفراز فرمایا۔

ایک مرتبہ **غیاث الدین** رح والی بنگالہ بیمار ہوا حکیمون نے علاج خارجی مین غسل بھی تجویز کیا بادشاہ نے یہ خدمت اپنی تین پرستارون کو جن کے نام سرو و گل و لالہ تھے سپرد کی ان پرستارون نے اپنی خدمتون کو نہایت خوبی سے انجام دیا حتی کے بادشاہ کو شفائے کلی حاصل ہو گئی بادشاہ نے اس خدمت کے صلہ مین تینون پرستارون کے مراتب اعلیٰ کئے اور ان سے محبت بھی کرنے لگا امیر اور حرمون کو حسد ہوا انھون نے حقارتاً انھین غسالہ کے لقب سے پکارنا شروع کیا شدہ شدہ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی وہ ہنسا اور اسی حالت مین بلا ساختہ اس کی زبان سے یہ مصرع نکل گیا ع ساقی حدیث سرو و گل و لالہ میرود +

مضمون دلپسند تھا چاہا کہ دوسرا مصرعہ لگائے مگر نہ ہو سکا شعرائے دربار سے مخاطب ہو کر دوسرے مصرعہ کی فرمایش کی مگر سب کا مضمون کوتاہ قافیہ تنگ ہو گیا۔ ناچار سب نے عرض کی کہ اس مصرعہ پر بجز حافظ شیراز کے دوسرا شخص

غیاث الدین [illegible]

مصرعہ نہین لگا سکتا ہے۔ بادشاہ نے فوراً چند خدام بنگالہ سے شیراز کو روانہ کیئے جب یہ لوگ آپ کی خدمت مین پہونچے آپ نے انکی اور اُنکے بادشاہ کی تمام سرگذشت سنی اور مصرع پر مصرعہ لگا کر اس طرح مطلع کر دیا ؎

ساقی حدیث سرو و گل و لالہ میرود
وین بحث با ثلاثہ غسالہ میرود

دو ثلاثہ غسالہ، میخوارون کی اصطلاح مین اُن تین پیالہ ہائے شراب کا نام ہے جن کو بادہ خوار علی الصباح نوش کرکے شب کی کدورت دور کرتے ہین واقعات کے اعتبار سے لالہ کا قافیہ غسالہ بالکل معمولی تھا جو شعرائے بنگالہ کے سامنے موجود تھا مگر چونکہ وہ حافظ کی طرح اصلی اور حقیقی بادہ خوار نہ تھے اس لیئے دماغ اور خیال مین تمام اسباب بادہ خواری حاضر اور مجتمع نہ ہونے کی وجہ سے اس قافیہ کو نہ اپنے لفظون مین ترتیب دے سکے اور نہ بامعنی منظوم کر سکے حافظ نے اسی ردیف و قافیہ مین پوری غزل لکھکر بادشاہ کی خدمت مین روانہ کر دی۔ جس کے دو شعر اور درج ذیل کیئے جاتے ہین۔

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند — زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ میرود
حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث دین — خامش مشو کہ کار تو از نالہ میرود

جب نادر شاہ بادشاہ ایران نے ہند پر فوج کشی کا ارادہ کیا تو اپنے تمام افسرون کو خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی کے مزار پاک پر لیگیا اور دیوان مین سے فال نکالنے کا حکم دیا کتاب کو کھولا تو پہلے اشعار جو نکلے وہ یہ تھے ؎

سزد کز ہمگین دلبران ستانی باج — چرا کہ بر سر خوبان عالمے چون تاج
دو چشم مست تو برہم زدہ خطا و ختن — بچین زلف تو ماچین و ہند دادہ خراج

مگر بعض یہ کہتے ہین کہ نادرشاہ نے پہلے سے انتظام کر رکھا تھا کہ یہی اشعار نکلین تحقیق ہوا اہل ایران کا اس بات پر بڑا اعتقاد ہے وہ کہتے ہین کہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ حافظ علیہ الرحمۃ کی روح نے دیوان مین حلول کر کے سب حال راست راست کہہ دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص آغا ہاشم جو مشہور درویش تھا فوت ہو گیا اُسکے دوستون نے چاہا کہ اسکو حافظ علیہ الرحمۃ کے مقبرے مین دفن کرین۔ مگر مقبرے کے سجادہ نشین نے اجازت دینے سے انکار کیا آخر سب کی رائے یہ ٹھہری کہ بذریعہ فال دیوان مین سے حال دریافت کیا جاوے۔ چنانچہ دیوان کھولا تو یہ شعر نکلا ہے

رواق منظر چشم من آشیانۂ تست
کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست

صاحب **مفتاح التواریخ** لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ حافظ نے اپنے ایک مربی اور دوست خواجہ امین الدین حسن وزیر سلطان ابو اسحاق سے ملنے کے لیے اصفہان کا سفر کیا ہنوز اُنکے پاس تک نہ پہنچنے پائے تھے کہ ملازمان امین الدین حسن نے انکو ایک شرابی سمجھ کر علت بدمستی مین گرفتار کر لیا اور شہر مین تشہیر کرایا ناگاہ یہ خبر خواجہ امین الدین حسن کو پہنچ گئی۔ فوراً حافظ کو اپنے پاس بلوایا اور جو شخص اس تشہیر کا بانی ہوا تھا اُس کی نسبت حکم صادر کر دیا کہ باقی حصہ شہر مین وہ مثل حافظ کے تشہیر کیا جاوے

حافظ نے اپنے دوست کی شکر گذاری میں ایک غزل لکھی جس کے تین شعر درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

مرا عہدیست با جانان کہ تا جان در بدن دارم | ہواداری کویش را چو جان خویشتن دارم
الا ای پیر فرزانہ مکن عیبم ز مے خانہ | کہ من در ترک پیمانہ دل پیمان شکن دارم
بہ رندی شہرہ شد حافظ پس از چندین ورع اما | چہ غم دارم کہ در عالم امین الدین حسن دارم

مفتاح التواریخ میں ایک حکایت درج ہے کہ خواجہ حافظ زمانہ شاہ شجاع میں ایک نوجوان مفتی زادہ پر عاشق ہو گئے کچھ دنوں تو اپنی حالت کو پوشیدہ رکھا مگر ایک عرصے کے بعد معاملہ طشت از بام ہو گیا۔ ایکروز مفتی زادہ کو ساتھ لیکر جناب حافظ ایوان شاہی کے پچھواڑے سے کوشی میں مشغول ہوے وہ اپنے نزدیک خلوت میں تھے مگر بادشاہ جھروکے سے نظارہ کر رہا تھا خواجہ نے جام کو شراب سے لبریز کر کے مفتی زادے کو دیا جیسے ہی اس نے منھ سے لگایا تھا کہ بادشاہ نے آواز دی۔ ع

حافظ قرابہ کش شد و مفتی پیالہ نوش

حافظ نے ساتھ ہی جواب دیا۔

در عہد بادشاہ خطا بخش و جرم پوش

اس سراسیمگی اور بدحواسی میں مصرع برجستہ فوراً مصرعہ لگا دینا حافظ کے خیالات کی تیزی اور طبیعت کی برجستگی ایک ایسی مثال ہے جس سے زیادہ کسی دوسرے شاعر میں نہیں ہو سکتی۔

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ میر فضل اللہ شیرازی جو علامہ تفتازانی کے شاگرد تھے اور اس زمانے میں سلطان محمود شاہ بہمنی والی جنوبی ہند کے

وزیر تھے۔ حافظ شیرازی کا شہرہ سنکر اپنے بادشاہ کی طرف سے حافظ کو دکن میں طلب کیا۔ آپ آمادہ سفر ہوگئے مگر ابھی کشتی میں سوار ہوکر جزیرہ ہرمز سے (جزیرہ فارس) تک پہونچے تھے کہ باد مخالف کا سامنا ہوگیا اس قدر گھبرا گئے کہ کشتی کنارے پر پہونچائی گئی حافظ نے اسی حالت میں ایک غزل لکھکر میر فضل اللہ کو بھیجدی جسکے چند شعر نذر ناظرین ہیں۔

دمے با غم بسر بردن جہان یکسر نمی ارزد — بمے بفروش دلق ما کزین بہتر نمی ارزد
بس آسان می‌نمود اول غم دریا بہ بوی سود — غلط گفتم کہ ہر موجش بصد گوہر نمی ارزد
چو حافظ در قناعت کوش و از دنیای دون بگذر — کہ یک جو منت دونان بصد من زر نمی ارزد

اور آپ کشتی سے اتر کر سیدھے شیراز کو چلتے ہوئے اور تمام عمر دریا کے سفر سے عذر کیا۔

حیات خاتون۔ شیراز میں ایک ظریفہ و عارفہ عورت تھی حافظ شیراز سے ایک مرتبہ اس سے ملاقات ہوئی حافظ شیراز نے یہ غزل اپنی پڑھی ؎

دردم از یار است و درمان نیز ہم — دل فدای او شد و جان نیز ہم

جب یہ شعر پڑھا۔

اعتمادی نیست بر کار جہان — بلکہ بر گردون گردان نیز ہم

حیات خاتون نے فی البدیہہ یہ شعر کہا

حافظا این می کشی تا کی کنی — من ز تو بیزار و دستان نیز ہم

واجہ حافظ نے کہا ؎

بر جہان آمدہ ما ہم بگذریم — چون گدا بگذشت سلطان نیز ہم

بلبل شیراز جناب حافظ علیہ الرحمۃ کا جب وصال ہوا علماء دین نے آپکے لیئے یہ فتوے دیا کہ بہت بڑے شراب خوار تھے۔ اُنکے جنازے کی نماز درست نہیں مگر کچھ لوگ انکے بھی طرفدار تھے وہ کہتے تھے کہ یہ بہت بڑے درویش باکمال ہیں نماز ضرور پڑھنی چاہیئے آخر میں یہ فیصلہ ٹھہرا کہ انہیں کے دیوان سے فال دیکھی جائے اور جو شعر نکل آئے اُسی پر عمل درآمد ہو۔ جسوقت دیوان کھولا گیا یہ شعر نکلا

قدم دریغ مدار از جنازہ حافظ +
کہ گرچہ غرق گناہ است میرود بہ بہشت +

جسوقت یہ شعر فال میں نکلا سب کو آپ کے درویش باکمال ہونے کا یقین کامل ہوگیا ایک جماعت کثیر نے آپکے جنازے کی نماز پڑھی چنانچہ اب تک آپ کے دیوان میں لوگ فال دیکھتے ہیں اور اہل ایران کا بہت بڑا عقیدہ ہے کہ جو بات ہونے والی ہوتی ہے بالکل صحیح نکلتی ہے اور واقعی ہے بھی ایساہی۔

نورجہان بیگم کا قصہ مشہور ہے کہ جب اسکا ہار چوری گیا تو دیوان حافظ میں فال دیکھنے بیٹھی رات کا وقت تھا جو لونڈی شمع اُس وقت ہاتھ میں لیئے دکھا رہی تھی وہی چور تھی فال میں یہ مصرعہ نکلا ع

چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد

شاہزادی زیب النساء

زیب النساء نہایت رحیم مزاج واقع ہوئی تھی اپنے کنیزکون وخداموں کے ساتھ نہایت نرمی کے ساتھ سلوک کرتی تھی فغفورچین نے شاہ جہان شہنشاہ ہندکو ایک آئینہ بطورتحفہ کے بھیجا تھا وہ آئینہ عالمگیر سے زیب النساء کو ملا تھا۔ روشن نامی لونڈی سے یہ قیمتی آئینہ اتفاقیہ ٹوٹ گیا یہ اپنے دل مین بہت ڈری اور شاہزادی کے حضور مین کانپتی ہوئی حاضر ہوئی اور یون عرض کی ع

از قضا آئینۂ چینی شکست

شاہزادی نے نہایت دریادلی سے ہنسکر جواب دیا ع

خوب شد اسباب خودبینی شکست

زیب النساء نے ایکمرتبہ یہ بےنظیر مصرعہ تحریر فرمایا ع

ادہم نمی شود ز حلاوت جدا لبم

اس مصرعہ پر دوسرا مصرعہ موزون کرنے کے لئے اور شاعرون سے ارشاد کیا جاتک ہوسکا لوگون نے زورطبیعت دکھایا مگر ناصرعلی سرہندی نے نہایت گستاخانہ طورسے یون مصرعہ لگایا ع

گویا رسید برلب زیب النساء لبم

لیکن زیب النساء نے نہایت تحمل کو کام فرمایا اور اپنے گستاخ ہمعصر کو صرف اتنا لکھکر بھیجدیا ؎

ناصرعلی بنام علی بردہ پناہ | ورنہ بذوالفقار علی سربریدمت

ایک دفعہ کاذکر ہے کہ زیب النساء اپنے کمسنی کے زمانہ مین آگرہ کے

قلعہ میں محل کے اوپر کھیل رہی تھی اس کی سہیلی نے ایک دیوار کے سوراخ میں
ایک لکڑی ڈالدی اور کہنے لگی "نیمے درون نیمے برون" اس پر سب
لڑکیاں ہنسنے اور شور مچانے لگیں زیب النساء کے جد امجد شاہجہان بادشاہ
جو اسوقت آنکھوں سے معذور تھے اس محل کی مسجد میں رہتے تھے بچوں کو شور مچاتے
سنا تو بہت خفا ہوئے اور لڑکیاں ڈریں کہ شاید شاہ عالیجا نے "نیمے درون
نیمے برون" والا فقرہ سن لیا سب بھاگیں لیکن زیب النساء کو ذرا بھی ہراس نہوا
بلکہ آگے بڑھی اور کہنے لگی دادا جان ہم کہہ رہے ہیں ؎

از ہیبت شاہ جہان لرزد زمین و آسمان
انگشت حیرت در دہان نیمے درون نیمے برون

ایکدن زیب النساء شب کے وقت اپنے محل میں سوئی تھی
اسکی وزیرزادی جس کی قابلیت و شوخی طبع کو زیب النساء کی فیض صحبت نے
اپنا ہم عصر بنالیا تھا۔ اسکی آرامگاہ میں آئی تو دیکھا کہ شہزادی کمال نیند میں
سرشار ہے پاس ادب سے جگا نہ سکی یہ اشعار لکھ کر اس کے سرہانے رکھدیئے
اور چلدی ؎

تو بخواب ناز بودے — من از رقیب پنہان
کف پات تو بوسہ دادم — زحنا شنیدہ باشی

جب شاہزادی خواب ناز سے بیدار ہوئی یہ اشعار اسکے سرہانے ملے دوسرے
دن اتفاق سے وزیرزادی اپنے شوہر کے ساتھ بخواب تھی زیب النساء
اپنے رخ انور پر نقاب ڈالے ہوئے اس کے آرامگاہ کی طرف چلی گو خواصیں
لونڈیاں سب تھیں مگر کس کی مجال ہے کہ شہزادی کو روک سکے وہاں جاکر

جو اس نے دیکھا تو یہ اپنے شوہر کے ساتھ بے خبر سو رہی تھی اس سے بھی جگانا مصلحت وقت نہ سمجھا اور یہ اشعار لکھ کر وہیں رکھ آئی

نہ من بدو رستی ‏ ‏ ‏ ‏ نہ تو دیدہ ام ادائے
بہ سرت قسم کہ روزے ‏ ‏ ‏ ‏ کہ تو ہم نہ دیدہ باشی

اے سبحان اللہ کیسی کسر نکالی ہے۔

ایک دن زیب النساء رخ انور پر نقاب ڈالے ہوئے اپنے بالاخانہ پر ٹہل رہی تھی ایک شاعر ایران کے رہنے والے بھی اسطرف اتفاقیہ آنکلے شاہزادی کو دیکھ کر آپ نے یہ شعر پڑھا

پردہ بردار نظر محتاج است
عرض وہ داغ جگر محتاج است

زیب النساء بھلا کب اپنے نسبت ایک چبھتا ہوا شعر سن کر خاموش رہ رہ سکتی تھی فوراً اسکے جواب میں یہ شعر پڑھا

اگر من پردہ بردارم فتد بر آسمان غوغا
کہ یا رب این چہ طوفان است مہ شد بر زمین پیدا

اللہ رے غرور حسن

ایک مرتبہ ایک ایرانی شاہزادے نے جو زیب النساء کا نادیدہ مشتاق تھا طرحی غزل میں یہ مطلع لکھا

ترا اے مہ جبین بے پردہ دیدن آرزو دارم
جمالت ہائے حسنت را رسیدن آرزو دارم

شاہزادی سنتے ہی فوراً بھانپ گئی اور دوسرے روز غزل میں منجملہ اور اشعار کے

یہ شعر بھی پڑھے جس سے شاہزادے کو بالکل مایوسی ہوگئی۔

بلبل از گل بگذرد گر در چمن بیند مرا
بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا

ہمچو بو پنہان شدم در رنگ گل مانند گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

مطلب یہ کہ میرے حسن کو دیکھ کر باغ میں بلبل پھول کے عشق سے باز آئے اور برہمن بت پرستی ترک کر دے جس طرح پھول کے رنگ میں بو چھپی ہوتی ہے اسی طرح میں اپنے کلام میں چھپی ہوں پس میری خوبصورتی کا میرے کلام سے اندازہ ہو سکتا ہے۔

ایک روز زیب النساء شام کے وقت تفریح باغ سے دل بہلا رہی تھی جوش شباب میں آکر سرو سے لپٹ گئی جب اس کے جسم نازنین کو اس سے تکلیف پہونچی تو بیساختہ اسکی زبان سے یہ قطعہ نکل گیا۔

وائے بر شاعران نادیدہ
غلطی را بخود پسندیدہ

سرو را قد یار مے گویند
سر چوب بے ست ناتراشیدہ

ایک دن بادشاہ اورنگزیب نے زیب النساء کی خواصوں میں سے ایک خواص کو حکم دیا کہ مجھے نماز صبح کے قبل جگا دینا۔ اس کو اس خوف سے رات بھر نیند نہ آئی کہ مبادا میری آنکھ لگ گئی تو بادشاہ کی عمدول حکمی ہوگی رات بھر جاگتی رہی مرغ اکثر رات کو بھی بول اٹھتے ہیں اس روز بھی جب اس نے آواز مرغ کی سنی تو سمجھی کہ صبح ہو گئی فوراً بادشاہ کو جگا دیا حالانکہ ابھی رات بہت باقی تھی اور تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ بادشاہ نماز تہجد سے فارغ ہو کر آرام کرنے کو پلنگ پر گئے تھے کہ یکایک اس نے پھر جگا دیا اس تکلیف بیجا سے خلاف مزاج ہوئی اس خواص پر بہت ہی برہم ہوئے اور بادشاہ کی زبان مبارک سے یہ کلمہ نکل گیا

"دوسر بدن لازم است" جب اس نے بادشاہ کی زبان سے یہ کلمہ سنا اپنی زندگی سے مایوس ہوگئی زیب النساء کے آرام گاہ میں ڈرتی ہوئی آئی چپکے چپکے پاؤں دبا کر اُٹھایا شہزادی نے اسکی حالت دیکھ کر جگانے کا سبب پوچھا اُس وقت یہ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی کہ اب میں حضور کے پاس آخری سلام کے لیے حاضر ہوئی ہوں میرا پیمانہ عمر لبریز ہو چکا۔ شاہزادی کے اصرار سے اس نے کل واقعہ کہہ سنایا۔ زیب النساء نے اس کو تسکین دی کیونکہ اس کو وہ بہت عزیز رکھتی تھی حسب عادت بادشاہ کے سلام کو حاضر ہوئی اور یہ گنہگار لونڈی بھی دست بستہ بادشاہ کے روبرو کھڑی تھی زیب النساء نے پوچھا اباجان اسکے لیے حضور کا کیا حکم ہے بادشاہ نے پھر وہی جملہ کہا۔ "دوسر بدن لازم است" زیب النساء نے کہا کہ حضور

سر بریدن لازم است آن مرغ بے ہنگام را
این پری پیکر چہ داند وقت صبح و شام را

بادشاہ مسکرائے اور اُس خواص کا خون معاف کر دیا۔

ایکمرتبہ زیب النساء نے روشن نامی کنیز کو یہ حکم دیا کہ سامنے والے کمرے سے میری بیاض اٹھا لا۔ یہ بیاض لا رہی تھی کہ محلسرا کا ایک حوض راستہ میں پڑا جس میں سرخ مچھلیاں چھوٹی ہوئی تھیں یہ اُن کا تماشہ دیکھنے لگی۔ بیاض اسکے ہاتھ سے حوض میں گر گئی شاہزادی کی خدمت میں حاضر ہو کر اُس نے یہ رباعی پڑھی جس کو اُس نے اسی وقت موزوں کیا تھا۔

آن بیاض خاصہ شاہی کہ [illegible]
چون کہ اکثر قطرہ‌ہای سحاب افتادہ است
این بیاض از دست روشن [illegible]
چون بیاض سینہ ماہی در آب افتادہ است

زیب النسا اس رباعی کو سنکر خاموش ہو گئی۔

زیب النسا کو ایکمرتبہ اورنگ زیب نے شعر گوئی کے لیئے منع کیا تھا کیونکہ اُسے شاعری سے سخت نفرت تھی مگر زیب النسا جس کی طبیعت میں قدرتی مناسبت اس فن سے تھی وہ کب رُک سکتی تھی۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ اورنگ زیب باغ میں جلوہ فرما تھا۔ بہار کے دن تھے۔ نکھرا ہوا باغ کا عالم۔ پتے پتے پر نیا جوبن۔ پھولوں کی مہک۔ بلبلوں کی چہک

شعر

حسن میں در تھا باغِ رضوان کا ۔۔۔ باغ جسم تھا یا گلستان کا

سامنے زیب النسا بھی ادب سے بیٹھی ہوئی کسی کتاب کے مطالعہ میں مشغول تھی کہ یکایک اس کی شوخی طبیعت نے اس کو بیچین و بیتاب کر دیا۔۔۔ بادشاہ کا خوف گو کسی قدر مانع تھا مگر اُبھرتے جوش جوانی کی اُمنگ نے اسکو بالکل بیخود کر دیا اور بیساختہ اس کی زبان سے یہ شعر نکل گیا

اے عندلیب نالان دم در گلو گرہ بستہ
نازک مزاج شاہان تاب سخن ندارد

بادشاہ سنکر بہت محظوظ ہوا۔ اُس روز سے پھر اسکو شعر گوئی کی اجازت دیدی۔

ایک روز زیب النسا گلناری رنگ کا جوڑا زیب بدن کیئے بام قلعہ پر چہل قدمی کر رہی تھی عاقل خان گورنر لاہور اسی کے جنون عشق میں قلعہ کی فصیل کے نیچے نیچے جا رہے تھے جب نواب صاحب کی نظر اس غیرت گل و غنچہ کے باغ حسن پر پڑی تو پھر کیا تھا اسقدر صبر و ہوش کھو بیٹھے بیساختہ انکی زبان سے یہ مصرعہ نکل گیا۔ سرخ پوشے بلب بام نظر سے آید۔ زیب النسا نے سنکر

چونکہ اُٹھی دیکھا تو ایک خوش رو سرو قد نوجوان دیوار کے قریب کھڑا ہے زیادہ غور سے دیکھنے لگی ان حضرت نے پھر بآواز بلند پڑھا "در شُرخ پوشے بلب بام نظر مے آید"، زیب النسا کب اپنے نسبت ایک چُبھتا ہوا مصرعہ سُن کر خاموش رہ سکتی تھی فوراً جواب دیا۔ "نہ بزاری نہ بزور و نہ بزر مے آید" یہ کہہ کر اور نگاہوں سے غایب ہو گئی۔

عاقل خان اور زیب النسا سے اکثر چھیڑ چھاڑ چلی جاتی تھی ایک مرتبہ زیب النسا نے یہ شعر لکھا ؎

گرچہ من لیلیٰ اساسم دل چو مجنون در ہواست | سر بصحرا می زنم لیکن حیا زنجیر پاست

جس کے جواب میں عاقل خان کہتا ہے ؎

عشق ناتمام است باشد البتہ ناموس و ننگ | پختہ مغزان جنون را کے حیا زنجیر پاست

جس کے جواب الجواب میں زیب النسا کہتی ہے ؎

پاکبازان محبت را حیا باشد مدام
چون تو مرغ بے حیا را کے حیا زنجیر پاست

جب **عاقل خان** گورنر لاہور زیب النسا پر عاشق ہوا رات دن اسی کی فکر وصال میں پریشان و سرگردان رہا کرتا تھا زیب النسا بھی اس سے کسی قدر محبت کرتی تھی ایک دن عاقل خان لاہور میں وہ باغ جسکو زیب النسا نے بنوایا ہے بن رہا تھا مزدورں کا بھیس بدل گارے کا کونڈا لیکر بے تکلف ہورے کے اندر گھس گیا جہاں مستری کام کر رہے تھے جا پہونچا اس مکان زیر تعمیر کے سامنے والے مکان میں زیب النسا اپنی سہیلیوں کے ساتھ چوسر کھیل رہی تھی۔ عاقل خان نے بآواز

بلند یہ مصرعہ پڑھا ع

من وز طلب گرد جہان مے گردم

زیب النسا آواز سے پہچان گئی اور فوراً اسطور سے جواب دیا ع

گر باد شوی بر سر زلفم نرسی

زیب النساء کے حسن دلفریب کا شہرہ ایک زمانہ مین تھا اکثر لوگ اس کے حسن کلام پر مائل ہوے ایران کا ایک شاہزادہ جو خود بھی نہایت حسین خوش طبع آدمی تھا اسپر عاشق ہوا شوق دیدار مین ایران سے دلّی آیا۔ ایک معمولی حیثیت سے یہان آیا اور اس فکر مین رات دن پریشان تھا کہ کیونکر اس گل خوبی کا نظارہ ہو لوگون سے دریافت کیا کہ شاہزادی کا میلان طبیعت کس طرف ہے کسی نے کہدیا کہ وہ نہایت جفا کار و ظالم ہے آپ اس خیال سے باز آیئے کیونکہ ؎

دیکھنا بھی تو اس کا مشکل ہے کہ وہ لیلی میان محمل ہے
آدمی کیا ملک سے پردہ ہے بلکہ چشم فلک سے پردہ ہے

اس کو مایوسی تو ہوگئی مگر ایکدن یہ شاہزادہ اُسکے باغ مین کسی طور سے پہونچ گیا جب زیب النسا سیر باغ کے لیئے آئی تو اُس نے بھی ایک گلدستہ اپنے ہاتھون سے پھولون کا بنا کر شاہزادی کے سامنے پیش کیا یہ دیکھتے ہی سمجھ گئی اور یہ شعر پڑھا ؎

بگو اے عاشق صادق چرا گلدستہ آوردی
دل بلبل شکستی بہر ما گلدستہ آوردی

شاہزادے نے اُسکے جواب مین یہ شعر پڑھا ؎

بجاے زینت دستش این گلدستہ آوردم — بجز بی اتفاقی نرگس بپیش دستہ آوردم

شاہزادی سنکر پھڑک اُٹھی فوراً چلمن اُٹھا دی اس سے جی بھر کے نظارہ کیا اور ایسا

کرلیا۔ مگر اور آرزوے دل پوری نہ ہوئی۔

زیب النسار پر جب دشمنون نے جھوٹا اتہام عاقل خان سے

لگایا اور اسپر عتاب عالمگیری نازل ہوا جب یہ قید ہوئی اُسوقت اپنے ستانے

والے کو مخاطب کرکے اُسنے اپنی پاکدامنی کی یون قسم کھائی ہلسے کیا کہتی ہے

قسم بکعبہ حاجات و احمد مُرسل

کہ پاکبازی من باعث گناہ من است

زیب النسار ایکمرتبہ بازیگر کا تماشہ دیکھ رہی تھی بازیگر کی عورت

بلند بانس پر چڑھ کر قلابازیان دکھا رہی تھی چونکہ نہایت حسین عورت تھی

شعراء حاضرین مین سے کسی نے اسکی تعریف مین یہ شعر موزون کرکے

پڑھا۔

بن بعیت بو العجب چو نا ہویدا ست — یا تازہ گلے کہ بر سر شاخ حنا است

زیب النسار نے سنا تو کہا۔

نے نے غلط است کا آفتاب محشر

برنیزہ برآمد و قیامت برپاست

زیب النسار ایکدن شام کے وقت سیر باغ مین مشغول تھی

ن کا ایک پھول اس نے سر مین لگالیا اتفاق سے عاقل خان جو اس سے

ظر کا پہلے ہی بسمل تھا آگیا دیکھتے ہی اس نے یہ شعر پڑھا۔

نرگس ز بہر شوق تو نرگس — خم کرد رخ خویش کہ رخسار تو دید

زیب النسا نے فوراً ہی اُسکے جواب مین یہ شعر کہا ؎

این نہ نرگس کہ تو دیدی بسر لے افسر من
بہ تماشاے تو بیرون شدہ چشم از سر من

ایکمرتبہ بادشاہ اورنگ زیب نے یہ مصرعہ موزون کیا اور زیب النسا سے اسپر مصرعہ لگانے کو کہا مصرعہ یہ تھا ؏

دلیران را دلیری بعد مردان بیشتر باشد

انکی زبان سے یہ مصرعہ نکلا تھا کہ فوراً ہی اس نے دوسرا مصرعہ یون لگایا ؎

دلیران را دلیری بعد مردن بیشتر باشد
کہ چرم گرگ شیر افگن پس مردن سپر باشد

فے البدیہہ جواب دینے مین اس کو وہ ملکہ حاصل تھا جو کہنہ مشق استادون کو بھی شاذو نادر ہوا کرتا ہے۔

زیب النسا ایکدن شام کے وقت سیر باغ مین مشغول تھی اس نے ایک شعر موزون کیا اور اُس کو بڑے ذوق شوق سے بار بار پڑھتی جاتی تھی اور دل ہی دل مین مزے لے رہی تھی شعر یہ تھا ؎

چہار چیز ز غم سے برد کدام چہار
شراب و سبزہ آب روان و روئے نگار

یہ اُس وقت ایسی محو و بیخود تھی کہ بادشاہ اورنگ زیب بھی آگئے مگر اس کی محویت نے اپنی اجازت نہ دی کہ یہ بادشاہ کی آمد کو آنکھ اٹھاکر دیکھ تو لیتی اور برابر اسی شعر کو پڑھتی رہی یہانتک کہ بادشاہ بہت قریب آگئے اور اُنھون نے پورے طور سے سُن بھی لیا اُس وقت یہ اپنے دل مین ڈری کیونکہ بادشاہ کو

اس قسم کے اشعار سے بہت نفرت تھی فوراً اسی طرح پلٹ کر پڑھنے لگی ؎

چہار چیز کہ غم مے برد کہام چہار
نماز و روزہ و تسبیح و توبہ استغفار

بادشاہ اس کی اس حرکت کو سمجھ گئے کہ اس نے دوسرا مصرعہ صرف میرے خوف کی وجہ سے بدل دیا ہے ۔ مگر ساتھ ہی اس کے دل میں اپنی پیاری بیٹی کی حسن لیاقت سے خوش ہو گئے۔

بادشاہ عالمگیر نے جب عاقل خان گورنر لاہور جسکو زیب النساء سے سچا عشق تھا طلب کیا اور بادشاہ کا اس کے اس طلب کرنے سے مطلب یہ تھا کہ حسب خواہش زیب النساء یہ اس سے عقد کر دے مگر لوگوں نے اس کو لکھ دیا کہ بادشاہ تمہاری فکر میں ہیں ۔ تمہاری و زیب النساء کی درپردہ محبت کا حال اسے معلوم ہو چکا ہے ۔ اب اگر اسی کا نتیجہ ہو گا تو ۔ اس خوف سے اس نے صاف صاف انکار کر دیا بلکہ نوکری تک سے بھی دست بردار ہو گیا اور سب سے چھپ کر دہلی چلا آیا ۔ جب زیب النساء کو یہ بات معلوم ہوئی اس نے اس کی عقل پر نہایت تاسف کیا اور خفیہ طور سے اس کے پاس یہ مصرعہ لکھ بھیجا ع

شنیدم ترک خدمت کرد عاقل خان بہ نادانی

اس کے جواب میں عاقل خان نے یہ مصرعہ لکھا ع

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

شیخ علی حزین

شیخ علی حزین جسوقت ایران سے آکر بنارس مین اقامت گزین ہوے انکی نسبت اکثر لوگون کا یہ خیال تھا کہ یہ کیمیا جانتے ہین اکثر لوگ ان کو درویش باکمال کہا کرتے تھے اُس وقت بنارس بھی اودھ مین شامل تھا ملک الدولہ بہادر والی اودھ نے جب شیخ علی حزین کے درویش باکمال ہونے کا شہرہ سُنا ان کو بھی اشتیاق ہوا کہ چلکر اُن کی زیارت سے مشرف ہونا چاہیئے آپ اسی شوق مین بنارس آئے اور جناب حزین کے دولت کدے پر تشریف لے گئے۔ حزین کی عالی دماغی و نازک مزاجی تو مشہور تھی انکا یہ حکم تھا کہ جب تک اجازت نہ دین کوئی ہمارے پاس نہ آئے جب ملک الدولہ بہادر اِنکے در دولت پر پہونچے دربان نے کہا کہ حضور ذرا ٹھہر جائین مین اجازت لے لون تو اندر تشریف لیجائیے انکو دربان کی یہ مداخلت بہت ناگوار معلوم ہوئی اور یہ مصرعہ لکھکر دربان کو دیا کہ اچھا مین جاتا ہون یہ حزین کو دیدینا مصرعہ یہ تھا ع

در درویش را دربان نباید

جسوقت چوبدار نے حزین کے سامنے یہ مصرعہ لیجا کر پیش کیا اور کل حالات زبانی کہے آپ نے فوراً قلم اٹھا کر اُس کے جواب مین بے تکلف لکھدیا۔

بباید تا سگ دنیا نہ آید

نواب سُنکر حیران ہوگئے پھر انھون نے بہت چاہا مین ملون مگر حزین نے منظور نہ فرمایا مجبوراً واپس گئے۔

شیخ علی حزین کا ملازم بھنا بانی نہایت حاضر جواب و قابل آدمی تھا

ایک دن کا تذکرہ ہے کہ جناب حزیں شب کو اُٹھے رات کا اندازہ اِنکو نہ ملا
رمضانی کو جگا کر پوچھا ع

از شب چہ قدر رسیدہ باشد

رمضانی نے دیکھا تو نصف شب آ چکی تھی کیا کہتا ہے ع

زلفش بہ کمر رسیدہ باشد

اللہ اللہ کیا طبیعت پائی تھی۔

ایک موقع پر جناب حزیں کو مکھیاں بہت دق کر رہی تھیں آپ نے فرمایا

رمضانی مگساں می آیند

رمضانی نے بلاتامل جواب دیا۔

تا کساں پیش کساں می آیند

اس جواب سے حزیں بہت خوش ہوئے

ایک دن کا تذکرہ ہے کہ حزیں سیر باغ میں مشغول تھے گلوں کے
رنگ و بو نے انھیں محو کر دیا اور بیساختہ یہ مصرعہ زبان سے نکل گیا۔

رمضانی گل بہ برگ چرا می خندد

رمضانی نے فوراً ہی جواب دیا کہ حزیں کا بھی جی لوٹ گیا۔ رمضانی کہتا ہے

بر قبائے خود و بر غفلت ما می خندد

اللہ اللہ کیا مصرعہ لگایا ہے۔

شہر کے ایک شیخ زادے جو سخت بلید الطبع تھے اور شاعری کا دعویٰ
رکھتے تھے ایک دن مولانا [illegible] علیہ الرحمۃ کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے
آپ کی اس غزل پر [illegible]

بسکہ از جان نگاہ چشم بپندارم توئی
ہر کہ عہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

غزل لکھی ہے چنانچہ وہ غزل سُنائی پھر مولانا کے اس مطلع پر اعتراض جڑا اور کہا۔
"اگر گاؤ ے یا خرے پیدا شود" مولانا نے فرمایا "پندارم توئی"

ساغری ایک بلغول شاعر تھا اُسے آتا جاتا کچھ نہ تھا لیکن اپنے آپ کو خلاق معانی کہتا تھا مولانا جامی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں اکثر آیا کرتا تھا ایک دن اُسنے مولانا سے کہا کہ جب میں کوئی اچھا شعر کہتا ہوں تو دوسرے شعرا اُسکو چُرا لیتے ہیں مولانا کو اس کے جہل مرکب پر ہنسی آئی اور یہ دو شعر لکھے۔

ساغری میگفت دزدان معانی بردہ اند — ہر کجا در شعر من یک معنی خوش دیدہ اند
دیدہ ام اکثر شعر ہاش را یکے معنی نداشت — راست میگفت او کہ معنیہاش را دزدیدہ اند

ترجمہ یعنی ساغری یہ کہتا تھا کہ شعرا جہاں کہیں اچھا معنی دیکھتے ہیں تو چُرا لیتے ہیں میں نے اسکے اشعار دیکھے درحقیقت اُن میں کوئی معنی نہ تھا بیچارا سچ کہتا تھا کہ لوگ اسکے معنی چُرا لیتے ہیں۔

یہ قطعہ ہرات کی گلی گلی میں مشہور ہو گیا ساغری مولانا کے پاس شکایت لائے کہ آپ نے یہ کیا لکھ دیا وہ قطعہ بچے بچے کی زبان پر ہے جدہر سے گذرتا ہوں لوگ مجھکو سُنانے لگتے ہیں۔ مولانا مسکرائے اور فرمایا کہ بھائی میں نے تو شاعرے میگفت لکھا تھا لوگوں نے تمہارا مذاق اُڑانے کی غرض سے ساغری کر لیا ہوگا۔ ایسا میں کیا کروں۔ (لطیفہ)

حاشیہ فارسی میں "ہر کہ" ذوی العقول کے لیئے آتا ہے جیسے عربی میں "من" اور "ہر چہ" غیر ذوی العقول کیلئے جیسے عربی میں "ما" شیخ زادے نے ناسمجھی کی وجہ سے "ہر کہ" کو "ہر چہ" کے معنی میں لیا

ایک پُر لطف ادبی مکالمہ

حضرت عرفی شیرازی ایک روز کسی باغ مین سیر کی غرض سے گئے ایک شخص کو دیکھا کہ پہلے سے موجود اور مصروف سیر و تفریح ہے یون مکالمہ شروع ہوا۔

عرفی — تو کیستی

اجنبی — تو کیستی

عرفی — من شاعرم

اجنبی — من ماعرم

عرفی — ماعر کرا می گویند

اجنبی — شاعر کرا می گویند

عرفی — شاعر او کہ شعری گوید

اجنبی — ماعر او کہ معری گوید

عرفی — معر کرا می گویند

اجنبی — شعر کرا می گویند

عرفی — شعر کلام موزون را میگویند کہ در بحر گفتہ مے شود

اجنبی — معر ملام موزون را میگویند کہ در معرے مفتہ میشود

عرفی — قدرے از معر بگو

اجنبی — قدرے از شعر بگو

عرفی — کیک را در رفتار او گشتہ خجل

اجنبی — میک را در مفتار او مشتہ مجل

(از بیاض محوی لکھنوی)

آخر عرفی کو خاموشی کے سوا اور کچھ بن نہ پڑا اور اس برجستہ جواب کے سنتے ہی ایک طرف کی راہ لی۔

عرفی شیرازی کا ایک دیوان چھ ہزار اشعار کا تلف ہوگیا جس پر وہ ہمیشہ افسوس کرتے رہے چنانچہ ان اشعار کے غم مین ایک قصیدہ نظم کیا جسکا ہر شعر ایک مرثیہ ہے ؎

عمر در شعر بسر کردہ و در باختہ ام — عمر در باختہ را بار دگر باختہ ام
العطش می‌زنم از تشنہ لبی ہر موسم — کہ قدحہاے پر از خون جگر باختہ ام
شاید از ہیچ کشم نالہ زہجران سخن — طوطیٔ گرسنہ ام تنگ شکر باختہ ام
آیت شرع ہنر خون نشود محو کہ من — شش ہزار آیت احکام ہنر باختہ ام
گفتہ گر شد ز کفم شکر کہ ناگفتہ بجاست — از دو صد گنج یکی مشت گہر باختہ ام
صد مصیبت کدہ در ہر سخن از غم بود — گریہ نالہ شبی شام و سحر باختہ ام

عرفی نے اپنے نزع کے ہنگام مین یہ رباعی لکھی تھی۔

رباعی

عرفی دم نزع است و ہمان مستی تو — آیا بچہ امید بار بستی تو
فردا است و دولت نقد کونین بکف — جویاے متاع است تہی دستی تو

از ریاض عزیز لکھنوی

میر ناصر علی سرہندی

نواب ذوالفقار خان ناظم سرہندی کو شاعروں سے بہت الفت تھی جب انھوں نے میر ناصر علی سرہندی کی تعریف سُنی تو برہمن نام شاعر جو اُن کے دربار مین تھا لانے کو بھیجا۔ میر صاحب نے پہلے تو جانے سے انکار کیا اور کہا دو بابا مین تو فقیر ہون، مگر یہ برہمن بلا کا لسان تھا کسی نہ کسی ڈھنگ سے ان کو دربار تک لے گیا۔ اتفاقیہ بات کہو یا میر صاحب کی سبز قدمی سمجھو میر صاحب ابھی علیک سلیک کرکے بیٹھے ہی تھے کہ لونڈی نے اندر سے آکر اُن کی اکلوتی ولاڈلی صاحب زادی کے وفات کی خبر سُنائی۔ مجبوری کا مقام تھا نواب صاحب کو زنان خانے مین جانا پڑا مگر چونکہ میر صاحب کی طبیعت سے واقف تھے کہ نہایت نازک مزاج ہین مبادا منفعل ہوکر چلے نہ جائین۔ اُلٹے پانون واپس آگئے یہان آکر جو دیکھا تو میر صاحب کبھی کے کافور ہو چکے تھے۔ نواب صاحب کو بہت حیرت ہوئی اور جو فقرہ زبان سے نکلا وہ یہ تھا۔ ارے کوئی جانا وہ تو میری ہجو لکھ ڈالیگا۔ برہمن نے پھر تکلیف کی اور میر صاحب کے گھر گئے وہان جاکر دیکھا کہ واقعی وہ ذوالفقار خان کی ہجو لکھ رہے ہین۔ برہمن نے ہاتھ پکڑ لیا۔ میر صاحب نے سبب پوچھا تو کہا واہ واہ صاحب واہ نام تو ہو علی اور ذوالفقار کی ہجو۔ یہ میر صاحب کو سنتے ہی البدیہہ یہ فقرہ بہت پسند آیا اور کہا کہ افسوس مجھے مقدور نہین ورنہ جو تو مانگتا بلا عذر دے دیتا۔ اب بھی جو کچھ میرے اختیار مین دیکھتا ہے مانگ

برہمن کو جب موقع ہاتھ لگا تو عرض کی کہ میرے ساتھ پھر دربار چلیئے اور اس ہجو کی جگہ مدح لکھ دیجیئے میر صاحب چونکہ زبان دے چکے تھے ۔ اسکی درخواست کو قبول کی اور یہ قطعہ لکھا۔

قطعہ

اے شانِ حیدری زجبین تو آشکار — نامے تو در نبرد کند کارِ ذوالفقار
دشمن کش ہمانی ویکدست پروری — فتح وظفر زتیغ تو ہستند در قطار
تسخیر دو ستان آلہی نمودۂ — اے نوبہار خلق تو بر بوئے گل سوار
مرغ دلم بہ نیم نگہہ صید کردۂ — اے طائرانِ عرش خدنگ ترا سوار
ترسم کہ دل زلے فراقت جنون شد — آن مل کہ بردۂ زدل من این سیار
یاران چند در فن خود ملشی خواہند — این جمع را بیک نظر عاطفت شمار

ناصر علی ترا ز تو خواہد مراد بس
اے ابر فیض بر ہمہ عالم گہر ببار

برہمن کے ساتھ جا کر سر دربار یہ قطعہ جس وقت پڑھا نواب نے نہایت متانت کے ساتھ ان کے قادر الکلامی کی داد دی اور اسکے صلہ مین وظیفہ بھی مقرر کردیا۔

جزاک اللہ فی الدارین خیرا

فردوسی و منوچہر بلخی

۳۹۵ھ میں جب سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان کے راجہ بجے رام پر چڑھائی کی۔ منصور جو انکے لشکر کا سپہ سالار تھا ایک جری و نوجوان بہادر حسین آدمی تھا اُس نے راجہ کو شکست دے کر راجپوتوں کا تعاقب کیا سلطان کو اس منصور کے ساتھ بے انتہا محبت تھی اور اس بہادر نوجوان کو وہ دل سے پیار کرتا تھا۔ جب منصور کو کئی دن ہوے اور یہ واپس نہیں آیا اُسوقت سلطان کے دل میں اس کی جانب سے طرح طرح کے انتشار پیدا ہونے لگے ایک دن کا ذکر ہے کہ سلطان اپنے دربار میں اس شان سے جلوہ فرما تھا کہ تخت کے سامنے دونوں طرف کرسیوں کی قطاریں تھیں داہنے طرف وزراء وافسران فوج زرہ بکتر سے آراستہ بیٹھے تھے اور بائیں طرف کرسیوں پر شعراے اہل مذاق بیٹھے ہوے تھے جن کا نام آج تک ہر لایق و مہذب سوسائٹی میں لیا جاتا ہے فردوسی غضایری منوچہر بلخی حکیم عنصری سب اپنے اپنے رتبے کے موافق کرسیوں پر بیٹھے ہوے تھے اور دربار موقع پا کے اپنی مدحت سرائیوں سے دربار میں ایک جوش و خروش پیدا کر دیتے تھے سلطان نے یک بیک فردوسی کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھا اور فردوسی نے کھڑے ہو کر اپنے لہجہ میں یہ قطعہ پڑھا

جہاندار محمود شاہ بزرگ — بآبشخور اندر ہمی میش و گرگ
چو کودک لب از شیر مادر بشست — بگہوارہ محمود گوید نخست

سلطان نے اپنی شاہانہ متانت کے ساتھ فردوسی کی نازک خیالی اور قادر الکلامی کی داد دی جسکے ساتھ تمام اہل دربار خصوصاً شعراء نے نعرہ تحسین

دمرحبا بلند کیا فردوسی آداب شاہی بجا لاکر بیٹھ گیا اسکے بعد منوچہر بلخی کی طرف متوجہ ہوا منوچہر فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور یہ قصیدہ نہایت خوش الحانی سے پڑھنے لگا۔

قصیدہ

بوے چمن برآمد و برف جبل گداخت — گل باشگفت آمد و بلبل بہ بوستان
آن دور شد کہ ناخن درندہ تیز بود — وان روزگار رفت کہ گرگے کند شبان
بر بقعہ کہ چشم ارادت کند خدائے — فرمان دہی کند بسر خلق مہربان
وان ہم چو حضرت شہ محمود نامور — جم مرتبت پناہ جہان قیصر جہان
شاہیکہ عرض لشکر منصور گرد ہد — از قیروان سپہ بکشد تا بقیروان
سلطان روم و روس بمنت دہد خراج — جیپال و ہند و سندہ بگردن کشد فلان
ملکے بدین لیاقت و حکمے بدین نسق — نوشتہ اند بر ہمہ شہنامہ داستان
اے آفتاب ملک بسے روز ہا بتاب — وے سایہ خدا بسے سالہا بمان
خالی مباد گلشن حضرت بے حجست — زآواز بلبلان سخن گوئے مدح خوان

ان اشعار پر تمام دربار سے آفرین و سبحان اللہ کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں مگر خدا جانے کیا بات تھی کہ صرف سلطان نے چار ہی پانچ شعر شوق سے سُنے تھے کہ کچھ سوچ میں آگیا اس امر کی طرف اہل دربار کا خیال اُس وقت گیا جب سب لوگ ساکت ہوے۔ اور بادشاہ کو ایک فکر کے عالم میں پایا اُس وقت سلطان کے چہرہ سے غصے اور غم کے آثار نمایاں تھے پیشانی پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں آنکھیں سُرخ تھیں اور ان آثار غضب کے ساتھ ایک سکوت تھا۔ جو کسی صدمہ اور غم کی خبر دے رہا تھا اس سکوت نے وزرا اور تمام افسران فوج کو بھی سناٹے میں کر دیا سلطان کی چتونوں نے کل اہل دربار پر

ایسا رُعب طاری کر دیا کہ سب خاموش تھے اور مجال نہ تھی کہ کسی کی زبان سے کوئی لفظ بھی نکلجائے ۔ احمد بن حسن میمندی جو وزارت اور مدار المہامی کے عہدے پر ممتاز تھا اور بخلاف اور سفیروں کے اس سفر میں سلطان کے ہمرکاب تھا اس نے اپنی نکتہ رس عقل اور اپنے تیز ذہن سے کام لیا اور دل ہی دل میں خیال کرنے لگا کہ سلطان کا مزاج یک بیک کیوں برہم ہو گیا اُس نے اپنے دل میں کہا کہ اس قصیدہ میں کیا بات تھی جس نے سلطان کے مزاج پر ایسا اثر کیا؟"

وزیر احمد بن حسن میمندی کو خدا نے علاوہ فہم و ذکا کے حافظہ بھی نہایت تیز دیا تھا جو اشعار منوچہر بلخی نے پڑھے تھے اُس کو یاد ہو گئے تھے اشعار کو اُس نے دل ہی دل میں پڑھا اور غور کرنے لگا کہ ان میں کون لفظ تھا جو خلاف مزاج سلطان ہوا اور احمد بن حسن نے چار شعر پڑھکر جب پانچواں شعر پڑھا فوراً سمجھ گیا کہ سلطان کا سکوت اور ملال کس وجہ سے ہے پانچواں شعر تھا

شاہی کہ عرض لشکر منصور گر دہد
از قیروان سپہ کشد تا بقیروان

احمد بن حسن دل میں کہنے لگا کہ بیشک اس منصور کے لفظ نے یہ آفت ڈھائی منصور سے سلطان کو بڑی ہی محبت تھی اُس کی خاندانی وقعت اور اُس کے ذاتی جوہروں کو سلطان نہایت عزت کی نظر سے دیکھتا تھا اب کس پہلو سے گفتگو شروع کروں کہ سلطان کا غم غلط ہو ۔ احمد بن حسن اسی پس و پیش میں تھا کہ سلطان نے اہل دربار کی طرف متوجہ ہو کر کہا وہ کیا اب منصور کی طرف سے نا اُمید ہونا چاہیئے؟ جس وقت سلطان نے یہ حسرتمندانہ جملہ کہا عبد اللہ طائی نے سبقت کی اور کھڑے ہو کر پہلے دعائے دولت دی

پھر عرض کیا۔ ”حضور آپ متردد ہوں۔“ منصور کی جستجو میں ہم وفاداران تخت اور جان نثاران سلطنت اپنے اوپر خواب و خور حرام کر دیں گے اور جسطرح بن پڑے گا بہادر نوجوان منصور کو ڈھونڈ نکالیں گے کسی ہند و راجہ کی اتنی مجال نہیں کہ منصور کے ساتھ برا سلوک کرے اور اگر خدانخواستہ منصور کی طرف سے ہم حلقہ بگوشان دولت کو کوئی صدمہ پہونچا تو ہمارے سوار پوری سرزمین ہند کو ہلا دیں گے اور ہمارے گھوڑے ہندوستان کی ہر چھوٹی و بڑی سلطنت کو روند ڈالیں گے۔ وہ یہ سنکر سلطان اپنے جری و بہادر سرداروں سے یوں کہنے لگا کہ بیشک تم لوگوں کی جرائت و تمہارے حوصلوں سے مجھے اُمید ہے مگر میں سچ کہتا ہوں کہ اسوقت تک جب میں نے ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیئے تلوار ہاتھ میں لی ہے اور رکاب میں پاؤں رکھا ہے صرف جہاد کی خالص نیت سے اور خدا کے مُبارک دین اسلام کی خدمت کے لیئے اور اسی وجہ سے خدا نے میری مدد کی اور کفار کو ذلیل و خوار کیا میں یہ نہیں پسند کرتا کہ اپنی اس خاص نیت کو اب خراب کروں اور آیندہ فوج کشی سے خدمت دین اسلام کے علاوہ منصور کا بدلا لینا بھی میری غرض ہو۔“

اس پر اہل دربار نے بادشاہ کی نیک نیتی کی داد دی اور سلطانی خیمے میں یکایک خدا ترسی کا ایک جوش پیدا ہو گیا۔

اور منصور کھو بیٹھا

ملا طاہر غنی

ملا طاہر غنی کشمیری نے کبھی وطن سے باہر قدم نہین نکالا باوجودیکہ شہنشاہ ہندوستان نے سیف خان حاکم کشمیر کے معرفت بلوا بھیجا تھا مگر انھون نے انکار کیا اور کہا کہ لکھدو کہ غنی دیوانہ ہو گیا۔ سیف خان نے جواب دیا کہ مین تجھ جیسے عاقل کو دیوانہ کیونکر بنا سکتا ہون۔ ۔ یہ سُنکر آپ نے اُسی وقت کپڑے پھاڑ ڈالے اور دیوانون کی صورت بنائی اور کہا کہ اب تو لکھدو۔ افلاس جو شعرا کا ہمدم و ہمنفس ہے اُن کا بھی یار غار رہا تاہم قناعت کو ہاتھ سے نہ دیتے۔ دولت کے لیے امیرون کے پاس تک جانا ہتک سمجھتے چنانچہ خود ایک ایسے ہی موقع پر فرماتے ہین ؎

فکر روزی بر نمی دارد غنی از جاے خویش
آبرو چون شمع میریزم وسلے بر پاے خویش

ناصر علی سرہندی نے ایک دفعہ ملا طاہر غنی سے اپنے کلام کے بارے مین راے طلب کی تھی اُس کے جواب مین آپ نے یہ رباعی لکھ بھیجی ؎

رباعی

گر رشتہ شعری خود بہ پیچی از من | گویم سخن با تو مرنج ای کودن
بر ہر ورقی کردہ مشق سخن | چون لوح زبان شوی از آہن

ملا فیضی

ملا فیضی - ۱۸ برس کی عمر مین فارغ التحصیل ہو چکے جب اکبر شاہ نے انکے علم و فضل کا شہرہ سُنا - انکی طلبی کا حکم دیا - یہ حاضر دربار ہو گئے مگر حاسدون نے انھین ایک ایسے مقام پر ٹھہرایا کہ بادشاہ سے بہت دور پڑتا تھا یعنی جہان بادشاہ جلوہ فرما تھا اُسکے گرد جالی کا کٹہرہ تھا - بادشاہ کے اور فیضی کے درمیان کٹہرہ واقع تھا - یہ جگہ اُنکے لیئے اس غرض سے تجویز کی تھی کہ اتنی دور سے بادشاہ کو اُسکے کلام کا کیا لطف آئیگا - فیضی نے باواز بلند یہ قطعہ پڑھا -

قطعہ

بادشاہا درون پنجرہ ام ۔۔۔ از سر لطف خود مرا جا دہ

زانکہ من طوطی شکر خایم ۔۔۔ جائے طوطی درون پنجرہ بہ

اس قطعہ کو سُنتے ہی بادشاہ نہایت خوش ہوا اور اندر آنے کی اجازت دی جو قصیدہ اُس وقت پڑھا تھا اسکا مطلع یہ ہے ؎

سحر نوید رسان قاصد سلیمانی

رسید ہمچو سعادت کشادہ پیشانی

ملا فیضی سنہ [illegible] ہجری مین سخت بیمار پڑے شہنشاہ اکبر خود اُنکی عیادت کو تشریف لائے اور مزاج پُرسی کی - مگر اُنکی حالت ردّی ہو گئی تھی - مرض ضیق النفس تنگ کرنے لگا اسی حالت مین یہ رباعی کہی -

رباعی

دیدی کہ فلک بمن چہ نیرنگی کرد — مرغ دلم از قفس برآہنگی کرد

آن سینہ کہ عالمے درو مے گنجید — تا نیم نفس بر آورم تنگی کرد

عالت بیماری میں یہ شعر ورد زبان رہا کرتا تھا۔

گر ہمہ عالم بہم آید بہ جنگ

بہ نشود پائے یکے مور لنگ

اسی بیماری میں۔ بتاریخ ۱۰ صفر ۱۰۰۳ ہجری کو شیخ نے دنیا سے سفر کیا۔ قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون ۞

ایک مرتبہ شاہ عباس والی ایران کی طرف سے یہ رباعی لکھکر اکبر شاہ کے پاس بھیجی گئی۔

رباعی

زنگی بہ سپاہ خیل و لشکر نازد — رومی بہ سنان تیغ و خنجر نازد

اکبر بہ خزینہ پر از زر نازد — عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد

جسکا جواب فیضی نے کہہ کر فوراً بھجوایا فیضی کہتا ہے

رباعی

فردوس بہ سلسبیل کوثر نازد — دریا بہ گہر فلک بہ اختر نازد

عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد — کونین بذات پاک اکبر نازد

اکبر بادشاہ نے نہایت متانت شاہانہ کے ساتھ فیضی کی قادر الکلامی کی داد دی خلعت فاخرہ سے سرفراز فرمایا۔

نورجہان بیگم

نورجہان بیگم و جہانگیر شاہ ایک روز لبِ شام کے وقت محل کے کوٹھے پر بیٹھے ہوے راز و نیاز کی باتین کر رہے تھے انتیسوین رمضان المبارک کی تاریخ تھی۔ بادشاہ کو جس وقت مہِ نو آسمان پر نظر آیا زبان سے بیساختہ یہ مصرعہ نکل گیا ع

ہلال عید بر اوج فلک ہویدا شد

نورجہان نے فی البدیہ اس مصرعہ پر یون مصرعہ لگایا ؎

ہلال عید بر اوج فلک ہویدا شد
کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد

بادشاہ سنکر پھڑک گیا۔

نورجہان صرف اعلیٰ درجہ کی مدبر اور منتظمہ ہی نہ تھی بلکہ نہایت ہی خوش مذاق زندہ دل اور عالم اور فاضل تھی۔ شعر خوب بھی کہتی تھی۔ ایک دفعہ آسمان پر دُم دار تارا نکلا جسے جاہل بادشاہ یا بادشاہت پر منحوس سمجھتے ہین۔ جہانگیر محل مین کھڑے دیکھ رہے تھے۔ کسی خواص کے مُنھ سے نکلا کہ دیکھو کیا لمبی شعاعین ہین نورجہان نے اُسیوقت موزون کرکے یہ شعر پڑھا ؎

ستارہ نیست بدین طول سر برآوردہ
فلک بہ شاطری شاہ سر برآوردہ

ایک دن **جہانگیر شاہ** نے جو قبا پہنی تو اُس مین لعل کی گھنڈیان لگی ہوئی تھین نورجہان نے دیکھ کر فوراً یہ شعر پڑھا ؎

شعر

ترا نہ تکمہ لعل است در لباس حریر
شد است قطرہ خون منت گریبان گیر

جہانگیر بادشاہ شاعر بھی تھا اور شاعروں کا قدردان بھی چنانچہ مشاعرے میں ایک دفعہ دربار کے امیر الامرا نے یہ شعر پڑھا

بگذر مسیح از سر ما کشتگان عشق
یک زندہ کردن تو بصد خون برابر است

ملا علی قاری

ملا علی قاری مہر کن نے کہ شاعر با کمال تھا یہ شعر کہا

اے محتسب گریہ پیر مغان مترس
یک خم شکستن تو بصد خون برابر است

جہانگیر کی طبیعت بے اختیار ہوگئی اور فوراً یہ شعر پڑھا۔

از من متاب رخ کہ نیم بے تو یک نفس
یک دل شکستن تو بصد خون برابر است

تمام شد

جناب برہمن

بادشاہ عالمگیر کے زمانہ مین ناصر علی سرہندی و برہمن یہ دو شاعر ایسے تھے کہ جنکی قادر الکلامی کے ڈنکے آج تک چار دانگ عالم مین بج رہے ہین ایک دن یہ دونون شاعر دربار مین حاضر تھے بادشاہ نے برہمن سے کہا کہ کچھ اپنا کلام سناؤ اُسنے یہ شعر پڑھا ؎

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار ۔ بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

بھلا عالمگیر کے کان کب ایسے مضامین سن سکتے تھے فوراً اُسکے تیور ون پر بل پڑے اور قریب تھا کہ اسکی زبان سے برہمن کے لیے کوئی سخت حکم نکلے مگر ناصر علی سرہندی فوراً بادشاہ کے ارادے کو سمجھ گیا اور قبل اس کے کہ کوئی کلمہ بادشاہ کی زبان سے نکلے عرض کی کہ جہان پناہ بہت دن پیشتر حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کہہ گئے ہین ؎

خر عیسےٰ اگر بمکہ رود ۔ چون بیاید ہنوز خر باشد

اگر یہ برہمن ہی واپس آیا تو کیا تعجب ہے بادشاہ نے تبسم فرمایا۔ اور یہ بات مذاق مین ٹل گئی۔ اور ناصر علی کی اس جودت نے برہمن کی جان بچائی۔

عہد عالمگیر شاہ مین جب بنارس کے بتخانون کو توڑ کر مسجدین بنوائی گئین اسوقت برہمن نے جو فارسی کا ایک زبردست شاعر تھا یہ شعر لکھکر بادشاہ کی خدمت مین بھیجا ؎

ببین کرامت بتخانہ مرا اے شیخ ۔ کہ چون خراب شود خانہ خدا گردد

گو کسی شاعر نے اسکے جواب مین ایک شعر لکھا اُسکو ہم نقل کیے دیتے ہین مگر برہمن کا شعر بلند نظر ہے

برہمنا بست و بتخانہ ترا دیدم ۔ کہ نا خراب شدہ دلبر سے کعبہ نگرد

حضرت شمسؒ تبریز

حضرت شمس تبریز یہ ایک بہت بڑے خدا رسیدہ بزرگ تھے اکثر آپ اللہ میاں سے بھی جھگڑا کرتے تھے۔ ایک دن آپ کسی جنگل میں بیٹھے ہوئے مے نوشی کر رہے تھے اتفاق سے ہوا ایسی تیز چلی کہ جو بوتل شراب کی آپ کے سامنے رکھی ہوئی تھی گر گئی اور شراب بھی سب لنڈھ گئی آپ نے نہایت جوش میں آکر یہ رباعی فرمائی۔

رُباعی

ابریق مرا شکستی ربی — بر من در عیش را تو بستی ربی
برخاک زدی شیشہ گلرنگ مرا — خاکم بدہن مگر تو مستی ربی

اس رباعی کے پڑھتے ہی آپ پر عتاب نازل ہوا اور چہرہ مبارک پشت کی طرف ہو گیا پھر اُسی وقت دوسری رُباعی آپ نے پڑھی وہ یہ ہے

رُباعی

ناکردہ گناہ در جہان کیست بگو — آنکس کہ گنہ نکرد چون زیست بگو
من بد کنم تو بد مکافات دہی — پس فرق میان من و تو چیست بگو

اسکا پڑھنا تھا کہ پھر رحمت الٰہی نے آکر آپ کو آغوش میں لے لیا اور منہ حضرت کا پھر جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا۔ ایسے راز و نیاز کون سمجھے خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔

حضرت نظام الدین اولیاء
غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت میں محبوب سبحانی

حضرت نظام الدین اولیاء قائم نبی بستی جو دلی سے بفاصلہ ۶ میل واقع ہے رہا کرتے تھے آپ کی کرامت و آپ کی بزرگی اظہر من الشمس ہے آپ کے باورچی خانے سے ہزارہا آدمی روز کھانا پاتے تھے پچاسوں من صرف گھی کا خرچ تھا۔ ایک دن غیاث الدین تغلق نے یہ حکم دیا کہ سب لوگ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے آئیں جس قدر لوگ تھے نماز میں گئے مگر آپ نہ تشریف لے گئے یہ بات اس کے خلاف مزاج ہوئی ایک دن یہ دریافت کرنے لگا کہ حضرت نظام الدین اولیاء کو اس قدر روپیہ کہاں سے ملتا ہے جو روزانہ صرف کیا جاتا ہے لوگوں نے کہا حضور یہی کی ریاست سے ملتا ہے اکثر لوگ معتقد ہیں وہی خدمت کیا کرتے ہیں اس نے اسی وقت حکم دیا کہ آج سے کوئی شخص اگر ان کے خرچ کی کفالت کرے گا تو وہ سخت عتاب شاہی میں پڑے گا یہ خبر جب حضرت نظام الدین کو معلوم ہوئی خادم کو اسے یہ حکم دیا کہ آج سے جس قدر خرچ ہوا کرتا تھا اس کا دونا کر دے اور ایک طاق جو خانقاہ میں ہے جو کچھ تجھے روپیہ یا اشرفی کی ضرورت ہو اس میں سے لے لیا کرو۔ بموجب ارشاد خادم تعمیل حکم کرنے لگا جس قدر اسے ضرورت ہوتی تھی اس طاق سے جسے آپ نے فرمایا تھا لیا کرتا تھا۔

ایک دن پھر غیاث الدین تغلق نے پوچھا کہ اب حضرت نظام الدین

اولیاء کا کیا حال ہے لوگون نے کہا کہ اب تو پہلے سے بھی خرچ زیادہ ہوگیا ہے یہ اُس وقت لاہور مین تھا اس نے ایک حکم یہ بھیجدیا کہ میرے دہلی آنے تک حضرت نظام الدین اولیاء دہلی چھوڑدین جس وقت یہ حکم دہلی مین آیا لوگون کو سخت انتشار پیدا ہوا کیونکر آپ سے عرض کرین پاس ادب نے جب اجازت نہ دی تو خادم سے آپ کے بُلاکر یہ حکم شاہی سُنا دیا۔ جسوقت خادم نے یہ سُنا جاکر حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت بابرکت مین عرض کی کہ بادشاہ غیاث الدین تغلق نے ایسا حکم بھیجا ہے آپ نے یہ اشعار فرمائیے

اشعار

قصد ظالم بسوئے کشتن ما | دل مظلوم ما بسوی خدا ست
او درین فکر کہ بما چہ کند | من درین فکر کہ خدا چہ کند

غیاث الدین تغلق ہنوز لاہور ہی تھا کہ ایک دن اتفاق سے مکان کی چھت یکایک اس پر گر پڑی اور یہ راہی ملک عدم ہوا پھر اس کو دلّی آنا نصیب نہ ہوا۔

خسر الدّنیا والآخرہ

حضرت سرمد شاہ

بادشاہ اورنگ زیب کے عہد سلطنت مین سرمد شاہ

بہت بڑے درویش باکمال گذرے ہین دہلی مین موجود تھے مگر ننگے پھرا کرتے تھے بادشاہ نے بارہا تاکید کی کہ آپ کپڑے پہنا کیجیے مگر یہ کب خاطر مین لاتے تھے ایک دن عالمگیر نے کپڑے انکے لئے خود بنوا کے بھیجے۔ جب آدمی آپ کی خدمت مین کپڑے لیکر حاضر ہوا پوچھا کہ یہ کیا ہے اُس نے عرض کی کہ بادشاہ نے یہ کپڑے حضور کے پہننے کو بھیجے ہین آپ بیٹھے ہوے آگ تاپ رہے تھے اُسی آگ مین کپڑونکو ڈالدیا اور یہ قطعہ لکھکر بادشاہ کی خدمت مین بھیجدیا۔

آن کس کہ ترا تاج جہانبانی داد ۔۔۔ ما را ہمہ اسباب پریشانی داد

پوشاند لباس ہر کرا عیبے دید ۔۔۔ بے عیبان را لباس عریانی داد

بادشاہ اورنگ زیب نے ایکمرتبہ سرمد شاہ کو جو اسکے حکم کی تعمیل نہین کرتے تھے یہ قطعہ لکھا

اے عارف رند بود نابودت کو ۔۔۔ آتش زدہ بخونشتین دو دت کو

دل وادی وجان وایمان دادی ۔۔۔ اینک ہمہ سوداست بگو سودت کو

اسکا جواب شاہ صاحب نے یون دیا ذرا قطعہ ملاحظہ فرمایئے آپ فرماتے ہین

نابودم شدم بود نمیدانم کیست ۔۔۔ اخگر شدہ ام دود نمیدانم کیست

دل دادم وجان دادم وایمان دادم ۔۔۔ اینک ہمہ سوداست بگو سود کیست

بادشاہ عالمگیر نے جب بارہا فہمائش کی کہ سرمد شاہ کپڑے پہنا کرین ننگے نہ پھرا کرین اور یہ خاطر مین نہ لائے مجبور ہوکر عالمون سے فتوی پوچھا انلوگون نے یکزبان ہوکر کہدیا کہ ایسا شخص شرعًا واجب القتل ہے۔ بادشاہ نے انکے قتل کا حکم دیا علامہ ترابی نے اپنے تذکرہ مین لکھا ہے کہ قتل کے وقت بھی سرمد شاہ نے یہ شعر پڑھا تھا۔

سرجبہ اگر داز تن شوخی کہ ما را یار بود ۔۔۔ قصہ کوتاہ گشت ورنہ درد سر بسیار بود

ملا صیدی ایرانی

ملا صیدی۔ ایرانی جو نہایت زبردست شاعر طبقہ ایران مین گذر گیا ہے، جب یہ ہندوستان مین آئے تو نورجہان بیگم کی قدر دانی اور سخن فہمی کی بہت تعریف سنی۔ ایکدن یہ نورجہان کے باغ مین سیر کر رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک حور لقا نازنین رخ انور پر نقاب ڈالے آگے آگے ہے اور کنیزین اُس کو حلقہ مین لیے ہین ؎

شعر

جیسے گل بلبلون مین فوج مین شاہ
شمع پروانون مین ستارون مین ماہ

ملا صاحب کی بے چین طبیعت نہ رک سکی بیساختہ اُنکے زبان سے یہ شعر نکل گیا جسکو اُنھون نے باآواز بلند پڑھا وہ یہ کہ ؎

شعر

برقع برخ افگندہ ناز بردبباغش
تا نکہت گل بیختہ آید بدماغش

نقاب پوش نورجہان فوراً پلٹ پڑی اور اُسی وقت انکو بلوایا۔ پانچہزار روپیہ اس شعر کے صلے مین دیئے۔ اور انکا نام شاہی شعرا مین لکھنے کا حکم دے کر معقول وظیفہ مقرر کر دیا۔

مرزا محمد رضا صفہانی

مرزا محمد رضا۔ اصفہانی تلمیذ مرزا طاہر وحید اصفہانی ہندوستان کی سرسبزی اور اہل کمالات کے آماجگاہ ہونے کا شہرہ سن کے عہد بہادر شاہی مین دلی آئے رفتہ رفتہ خطاب قزلباش خان کے ساتھ منصب ہزاری پر قابض ہوے نہایت تیز طبع اور خوش اخلاق شخص تھے۔
میر غلام علے آزاد لکھتے ہین کہ ایک مرتبہ آصف جاہ مرحوم کے ہمراہ بھوپال کا سفر ہوا۔ اُمید صاحب بھی ہمرکاب نواب تھے ذوالفقار خان نے تذکرۃً یہ جملہ کہا کہ دنیا اُمید کے ساتھ بسر کرتے ہین بس آپ فوراً بول اُٹھے آپ بغیر اُمید کے بسر کرتے ہین اس برجستگی پر لوگون نے قہقہہ لگایا۔ فارسی مین آٹھ ہزار بیت انکی تصنیف سے موجود ہین۔ منصب ہزاری سے آزاد مزاجی کی وجہ سے ہمیشہ بیزار رہے۔ چنانچہ ایک موقع پر جب انکے احباب نے ان سے دلگرفتگی کا سبب پوچھا تو آپ نے فے البدیہہ یہ شعر نظم کرکے پڑھ دیا ؎

شعر

مثل بلبل ہمیشہ نالانم
این بود منصب ہزاری ما

پھر نہایت سلیس اردو مین اسکا ترجمہ ہوا ہے ؎

مثل بلبل کے ہون سدا نالان　　یہ میرا منصب ہزاری ہے

محمد شاہ و آصف جاہ

نادر شاہ نے جب ایران سے ہندوستان پر فوج کشی کا ارادہ کیا اور معہ فوج کے چل کھڑا ہوا محمد شاہ اُس وقت اپنے عیش و عشرت میں اس قدر محو تھا کہ ہرچند پرچہ نویسوں نے پے درپے اطلاعیں دیں۔ مگر اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ جب یہ بہت قریب آگیا اُس وقت آصف جاہ والی ملک دکن جو نہایت مدبر و دوراندیش تھے نادر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے حسن لیاقت سے کہہ سُن کر تین کروڑ روپیہ پر معاملہ طے کر دیا اور نادر شاہ کو رضامند کر لیا جب آصف جاہ اس رنگیلے بادشاہ کے پاس آئے اور ان سے معاملہ کی بابت گفتگو کی اجازت چاہی یہ اس قدر مست بادہ عشرت تھا کہ اس کو بھی سنا اس نے نہ پسند کیا بلکہ نشہ شراب میں آصف جاہ کو کہنے لگا "دو بوزینہ آمد"، اس کلمے سے آصف جاہ کو بہت ندامت ہوئی اور پھر نادر شاہ کے پاس آئے اور کہا کہ بہتر ہوگا کہ آپ دلی تک تشریف لے چلیں جس وقت نادر شاہ دلی پہونچا ہے۔ اس نے قتل عام کا حکم دے دیا ہزار ہا کیا لاکھوں بندگان خدا ذراسی غفلت میں ہلاک کر دیے گئے۔ اُس وقت پھر آصف جاہ محمد شاہ کے پاس آئے اور کہا کہ اب تو آپ کچھ ہوش میں آبیٹھے دیکھئیے کہ آپ کے باپ دادا کی لاکھوں رعایا کا خون ہوگیا اور ہوتا جاتا ہے۔ اُس وقت محمد شاہ نے بہت پشیمان ہوکر اور شرمندگی کے لہجے میں یہ شعر پڑھا۔

دیدۂ عبرت کشا قدرت حق را ببین ۔۔۔ شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

یہ کہکر تب آصف جاہ سے کہا کہ اب آپ ہی کوئی اسکا انتظام کرین ۔ پھر یہ بیچارے نادرشاہ کے سامنے حاضر ہوئے اور اس طرح عرض کیا ؎

کسے نماند کہ آنرا بہ تیغ ناز کشی
مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

نادرشاہ نے انکی طرف ایکبار دیکھا اور یہ جملہ فرمایا۔ بریش سفیدت بخشیدم۔ یہ کہکر تلوار میان مین کرلی قتل سے لوگون نے دست کشی کی پھر امن و امان ہوا۔

سوزنی شیرازی

سوزنی جو شیراز مین ایک مشہور حسین ولائق عورت گذر گئی ہے جس نے اپنے حسن دلفریب کی بدولت سراپردہ شاہی مین وہ آبرو پائی تھی کہ بادشاہ کی نگاہون مین اُسکا حسن عالم افروز پھرا کرتا تھا۔ ایکدن بادشاہ اسکے ہان تشریف لائے شب کو آرام فرمایا۔ مگر جب اُنھون نے اور کچھ ارادہ کیا اُسنے اول انکار کیا مگر جب اُدھر سے اصرار بڑھا تو اس نے اپنی حالت ایک ہی شعر مین بتائی وہ یہ کہ ؎

ظاہر ہمہ سبز در دلم ہمہ پر خون
از حالت من برگ حنا را چہ خبر کرد

بادشاہ کو معمولی شدبد سے زیادہ استعداد نہ تھی اسپر بھی نہ سمجھے اور پھر وہی قصد کیا مجبور ہو کر پھر اس نے یہ شعر پڑھا ؎

زقتل من اگر شاہا دلت خوشنود خواہد شد — منم حاضر ولے تیغت بخون آلود خواہد شد

اُسوقت بادشاہ سمجھے کہ یہ اس قابل نہین ہے اور اپنے ارادے سے باز آئے۔

ملا ابوالحسن دو پیازہ

شہنشاہ اقلیم لطافت ظرافت والی ملک زندہ دلی وخوش طبعی

خداوند مملکت بذلہ سنجی وحاضر جوابی یعنے ابوالحسن ملادوپیازہ شہنشاہ اکبر کے عہد سلطنت میں انکا بھی نام نورتن اکبری میں تھا فقہ وتفسیر وحدیث میں نہایت عمدہ دستگاہ حاصل تھی علمی چھیڑ چھاڑ ہمیشہ ابوالفضل وفیضی سے رہا کرتی تھی ایک دن یہ حاضر دربار تھے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ ملّا اس مصرع پر مصرعہ تو لگاؤ ؎ ع

بیا اے محتسب ساغر بکش دین آلہی شد

ملا صاحب نے فوراً دوسرا مصرعہ اسپر یون لگایا ؎

بیا اے محتسب ساغر بکش دین آلہی شد
نکاح دخت رز جایز کنون از مہر شاہی شد

بادشاہ نے متانت شاہانہ کے ساتھ انکی قادر الکلامی کی داد دی اور حاضرین دربار ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔ اسی طور سے آپ نے خواجہ حافظ کے اس مصرع پر بھی مصرعہ لگایا ہے ع

ادر کاساً وناولہا الا ایہا الساقی

ملا صاحب فرماتے ہین ؎

بہ پہلویم رسید امروز دلدار بنا حاقی
ادر کاساً وناولہا الا ایہا الساقی

مرزا رفیع سودا

جب مرزا رفیع لڑکے تھے اُس وقت میر جعفر زٹل کا بڑھاپا تھا۔ اگلے وقتوں کے لوگ رنگین جریبین جنپر نقاشی کا کام ہوتا تھا اکثر ہاتھ مین رکھا کرتے تھے۔ ایک دن شام کے قریب میر صاحب موصوف جریب ٹیکتے ہوئے ٹہلنے کو باہر نکلے سودا بھی بغل مین کتابون کا جزدان لیے سامنے سے آتے تھے۔ اونھون نے بڑے ادب کے ساتھ جُھک کر سلام کیا میر صاحب نے خوش ہوکر دعا دی چونکہ بچپن مین مرزا کی موزونی طبع کا چرچا تھا میر صاحب کچھ باتین کرنے لگے مرزا ساتھ ہو لیئے اُنھون نے توجیہ طبیعت کے بڑھانے کے لیئے کہا کہ بھلا مرزا ایک مصرعہ پر مصرعہ تو لگائیے ع

لالہ در باغ داغ چون دارد

مرزا نے سوچکر کہا۔

عمر کوتاست غم فزون دارد

میر صاحب نے فرمایا کہ واہ مرزا دن بھر کے بھوکے تھے دھوکھا گئے۔ مرزا نے کہا از غم عشق سینہ خون دارد۔ میر صاحب نے فرمایا واہ بھئی دل خون ہوتا ہے جگر خون ہوتا ہے۔ سینہ کیا خون ہوگا سینہ پُر زخون ہوتا ہے پھر مرزا نے فکر کرکے کہا۔ چہ کند سوزش درون دارد۔ میر صاحب نے کہا ہان مصرعہ تو ٹھیک ہے لیکن فرط طبیعت پر زور دیکر کہو مرزا دق ہو گئے جھٹ کہہ دیا۔ یک عصا سبز زیر ۔ ۔ ۔ دارد۔ میر جعفر مرحوم ہنس پڑے اور جریب اُٹھا کر کہا کیون؟ یہ ہم سے بھی دیکھو کہو نگا تیرے باپ سے بازی بازی بریش بابا ہمبازی۔ مرزا لڑکے تو تھے ہی بھاگ گئے۔

مرزا اسد اللہ خان غالب

مرزا قتیل نے ایک مرتبہ کسی مشاعرے مین یہ مطلع پڑھا ؎

کن بر سر تابوتم یک جلوہ برعنائی — اے از لب لعل تو اعجاز مسیحائی

تزئین خراسانی جو اُس صحبت مین شریک تھا کہا قتیل "دوبارہ بخوان" انہون نے پھر پڑھا۔ اُس نے یہ اعتراض کیا کہ "معشوق بر سر تابوت عاشق جلوہ عزنائی پس از لب لعل معشوق اعجاز مسیحائی چگونہ بظہور آید" بدین طور مناسبت است

قم بر سر تابوتم این وقت بفرمائی — اے از لب لعل تو اعجاز مسیحائی

اسد اللہ خان غالب نے جب سنا کہنے لگے کہ "ہنوز از لفظ "در این وقت" بوے ہندی مے آید" اور خود اس مطلع کو یون درست کیا ؎

قم بر سر تابوتم وقت است کہ فرمائی
اے از لب لعل تو اعجاز مسیحائی

دیکھیے تو ایک اس لفظ نے اب اس مطلع کو کہان سے کہان پہونچا دیا

ایک مرتبہ مرزا اسد اللہ خان غالب دلی کے ایک مشاعرے

مین اپنی فارسی کی غزل پڑھ رہے تھے مفتی صدر الدین خان صاحب مولوی امام بخش صہبائی جلسہ مین موجود تھے۔ مرزا صاحب نے جس وقت یہ مصرعہ پڑھا "بوادی کہ در آن خضر را عصا خفت است" مولوی صہبائی کی تحریک سے مفتی صاحب نے فرمایا۔ "عصا خفت است" مین کلام ہے۔ مرزا نے کہا حضرت! مین ہندی نژاد ہون سہرا عصا پکڑ لیا اس شیرازی کا عصا نہ پکڑا گیا ع

"بہ پیش جلوہ اول عصاے شیخ بخفت"

انہون نے کہا اصل محاورے مین کلام نہین کلام اسمین ہے کہ مناسب مقام ہوا نہین۔

سید انشاء

فایق تخلص ایک فلک زدہ شاعر بخفا خدا جانے کس بات پر خفا ہوا کہ سید انشا کی ہجو کی اور خود لا کر سُنائی انھون نے بہت تعریف کی اُچھلے بہت کودے اور پانچ روپیہ بھی دیئے جب وہ چلا تو بولے ذرا ٹھہر یئے گا ابھی آپ کا حق باقی ہے قلم اُٹھا کر یہ قطعہ لکھا اور حوالے کیا۔

فایق بے حیا چو ہجوم گفت   دل این سوخت سوخت سوختہ بہ
صلہ اش پنجروپیہ دادم   دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ

مولوی غلام ضامن

مولوی غلام ضامن صاحب رہتی کے فاضل تھے۔ مرزا فاخر مکین کے پاس ایک دن غزل لیکر گئے کہ مجھے شاگرد کیجیئے اور اسے اصلاح فرمایئے مرزا صاحب نے ٹالدیا۔ مولوی صاحب نے پھر کہا انھون نے پھر انکار کیا اور کج خلقی کرنے لگے جو عجز و انکسار کے حق تھے سب مولویصاحب نے ادا کیے ایک نہ قبول ہوا ناچار یہ شعر پڑھکر اُٹھ کھڑے ہو گئے

مرزا مکین ما نشود چون نگین ما
کین است عجز و اعظم مرزا مکین ما

تمام شد

سراج الدین قمری و سلیمان ساوجی

حاکم ماوراالنہر کے دربار میں ایک دن سراج الدین قمری و سلیمان ساوجی یہ دونوں شاعر نازک خیال حاضر تھے۔ حاکم نے یہ بے نظیر مصرعہ زبان مبارک سے فرماکر حکم دیا کہ اس مصرعہ پہ تین تین مصرعہ لگاکر رباعی کہیں۔ مصرعہ یہ تھا

اے باد صبا این ہمہ آوردہ تست

بہ تعمیل ارشاد پہلے سلیمان ساوجی نے اسطور سے اُسیوقت موزون کرکے یہ رباعی پڑھی۔

اے آب روان سر و برآوردہ تست ۔۔۔ وے خار درون غنچہ خون کردہ تست

گل سرخوش و لالہ مست نرگس مخمور ۔۔۔ اے باد صبا این ہمہ آوردہ تست

حاکم نے اپنی شاہانہ متانت کے ساتھ سلیمان ساوجی کی قادرالکلامی و نازک خیالی کی داد دی جسکے ساتھ تمام اہل دربار خصوصًا شعرا نے نعرہ تحسین و آفرین بلند کیا۔ سلیمان ساوجی آداب شاہی بجالاکر بیٹھ گئے۔ اسکے بعد سراج الدین قمری کی طرف مخاطب ہوا۔ سراج الدین قمری فورًا اُٹھ کھڑا ہوا اور اس طرح پڑھا۔

اے ابر بہار خار پروردہ تست ۔۔۔ اے سرو چمان چمن برآوردہ تست

اے غنچہ عروس باغ در پروردہ تست ۔۔۔ اے باد صبا این ہمہ آوردہ تست

اس رباعی پر تمام اہل دربار سے آفرین و سبحان اللہ کی آوازین بلند ہوئین۔ دونون شاعرون کو بادشاہ نے خلعت فاخرہ سے سرفراز فرمایا۔ اور نہایت قدر و منزلت کے ساتھ انکو زر و جواہر سے مالامال کردیا۔

حکیم بوعلی سینا

تاریخ نگارستان مین روایت لکھی ہے کہ شیخ الرئیس حکیم ابو علی سینا بڑے بڑے اہل علم اور ذی فنون لوگون کے نزدیک مسلم الثبوت اُستاد تھا اور کوئی اُسکے روبرو تقریر نہین کرسکتا تھا لیکن ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بہت ہی ذلیل خاکروب سے وہ تقریر مین اسقدر عاجز آگیا کہ اس کو کوئی بھی جواب نہ دے سکا جو نکہ ہمراہ بہت سے لوگ تھے وہ بہت شرمندہ و خفیف ہوا یہ واقعہ اس طور پر ہے کہ ایک روز شیخ جبکہ وزیر تھا معہ جلوس ایک راستے سے گذر رہا تھا کہ اُس نے ایک خاکروب کو دیکھا جو کہ اپنے شغل مین مصروف تھا اور یہ شعر پڑھتا جاتا تھا ؎

گرامی داشتم اے نفس از انت　　　که آسان بگذرد بر دل جہانت

یعنی اے نفس مین تجکو اس لیئے عزیز رکھتا ہون کہ دنیا کے حالات سے تجھکو کسی قسم کا بار نہو نے پائے۔ آپ اس شعر کو سُنکر ہنسے اور مسکرا کر بنظر طعن اس سے کہا کہ ہان نفس کی ایسی ہی عزت کرنا چاہیئے جیسی کہ تو اُس سے مرعی رکھتا ہے اُس کی تو نے خوب تعظیم کی کہ اُس کو ایسے ذلیل کام مین ڈالا ہے اور تو اپنی عمر عزیز کو ایسے خسیس کام مین صرف کرتا ہے اور اس ذلیل کام کو باعث فخر جانتا ہے خاکروب نے تھوڑی دیر کے لیئے اپنا کام چھوڑ دیا اور یہ جواب باکرجات دیا جس کی رو سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ ذلیل پیشہ سے روٹی پیدا کر کے کھانا اس سے کہین بہتر ہے کہ کسی کی خدمت بجالانا اور اُس کا بار احسان اُٹھانا۔ یہ سُنکر شیخ الرئیس شرمندہ ہوا اور وہان سے جلد جلد چلنے لگا۔

مولانا محمد یوسف صاحب

کلب علیخان صاحب آگرہ کے رہنے والے ضلع شاہجہان پور مین ڈپٹی کلکٹر تھے اور مولوی محمد یوسف صاحب یوسف تخلص متعلقہ دار ضلع بریلی جنکے اکثر علاقہ جات شاہجہان پور مین بھی تھے ڈپٹی صاحب کے بہت بڑے یار تھے شعر و شاعری مین بھی دونون صاحب ہمعصر تھے انکی صحبت سے ڈپٹی صاحب کو حظ آیا کرتا تھا۔ ایکمرتبہ جناب یوسف صاحب شاہجہان پور کسی اپنے خاص مقدمہ کی پیروی کے لیئے تشریف لائے اور اتفاق سے یہ مقدمہ ڈپٹی ہی صاحب کی اجلاس مین دایر تھا ڈپٹی صاحب نے مقدمہ مین بہت دیر کی چونکہ انکو میان یوسف صاحب سے ایک خاص طور کا اُنس تھا اسلیے اور بھی دیر کی کہ اگر مین جلد فیصلہ کردونگا تو یہ مکان چلے جائینگے۔ اور ادھر انکے کامون کا ہرج ہونے لگا اونھون نے کئی مرتبہ ڈپٹی صاحب سے کہا کہ للہ اب آپ مقدمہ جلد طے کیجیے میرا بہت نقصان ہورہا ہے۔ ڈپٹی صاحب ہنس کر خاموش ہو رہے اور پھر نہ فیصلہ کیا ایکدن یہ دونون صاحب بیٹھے ہوے تھے اثنار گفتگو مین ڈپٹی صاحب نے فرمایا کہ بھائی یوسف اسوقت کچھ سناؤ اونھون نے کہا کہ سناؤن کیا خاک ویسے ہی پریشان ہورہا ہون جب زیادہ اصرار ہوا تو میان یوسف صاحب نے یہ بر محل قطعہ جو اسیوقت موزون کیا تھا سنایا وہ یہ ہے۔

یوسفِ مصری ازان روز کہ مُرد   حُسن جادوی رابائن یوسف سپرد
ہر دو یوسف رعجب کارے فتاد   آن کیے اگرگ این را کلب مجرد

ڈپٹی صاحب نے مسکرا کر فرمایا کہ کیون حضرت مجھی آپنے کتا بنایا پھر اُسی روز جا کر مقدمہ کا لکھا فیصلہ

مولانا قطب الدین احمد صاحب

مولانا قطب الدین احمد صاحب مرحوم و مغفور جنکا اصلی وطن لکھنؤ تھا بنارس مین بذریعہ وکالت سکونت اختیار فرمائی تھی۔ آپ نہایت خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ عربی و فارسی مین استعداد کامل رکھتے تھے شعر و شاعری کا بھی بے انتہا ذوق تھا۔ آپکے منجھلے صاحبزادے مولوی محمد سلیمان صاحب ناظر ججی مرزاپور بیان فرماتے ہین کہ ایکدن آپ نے یہ بے نظیر شعر تحریر فرمایا ؎

وعدۂ فردا تو آپہونچا مگر افسوس ہے
وصل جاناں کی میرے گھر کچھ بھی تیاری نہین

جوقت یہ شعر آپ کے قلم سے نکلا آپ پر ایک کیفیت طاری ہوگئی دو شبانہ روز روتے ہی گذرے آخر تیسرے دن آپ بلا کسی سامان سفر کے عازم بیت اللہ شریف ہوے۔ اور بہ یک بینی و دو گوش چل کھڑے ہوے جب آپکے صاحبزادونکو خبر ہوئی تو بمبی جاکر ان لوگون نے کل سامان سفر ضروری مہیا کرکے آپ کو جہاز پر سوار کرا دیا۔ آپ یہی شعر پڑھتے ہوے خوشی خوشی جہاز پر سوار ہوکر روانہ ہوگئے سچ ہے اہل دلون کے لیئے وہی اشعار جنکو آپ معمولی نگاہون سے دیکھ رہے ہین۔ بعض وقت نشتر و تیر کا کام کرجاتے ہین۔

مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی محب الٰہی بردا اللہ مضجعہ کا عجیب و غریب واقعہ جسکو مین اگلے صفحہ مین نذر ناظرین کرتا ہون کچھ کم تعجب خیز نہین اسیکا نام انرِ سخن

گفت قدوس فقیرے در فنا و در بقا
خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

مولانا عبدالقدوس صاحب

کون جانتا تھا کہ حضرت مولانا عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا
شعر جسے ہم نے زیب عنوان کیا ہے ایسی ادا سے جانستان کا مرکز ہوگا۔
اور ایک ہزبر بیشہ حقائق و معارف کے دل پر تیر نگہ اور کا کام کر جائے گا۔
اطراف واکناف عالم کا مشہور عالم باعمل واعظ شیریں کلام حاجی حرمین
الشریفین صوفی عالی مقام حضرتنا شاہ محمد حسین صاحب
محب الٰہی الہ آبادی برد اللہ مضجعہ کے وصال کا حیرت افزا واقعہ کچھ کم تعجب
خیز نہیں۔ اسلیئے کہ ایسے آشوب ناک زمانے میں جنید و بختیار کاکی رحمہما
اللہ علیہما کا ہم مرتبہ شخص پیدا ہونا قیاساً ناممکن معلوم ہوتا ہے مگر نہیں
اہل کمال سے زمانہ کبھی خالی نہیں رہتا۔ شاہد رعنائے ازل کے
حسن مطلق کی شعاعیں تاریک دلان کلبۂ ہستی کے لیئے نہیں یہ انھیں
عاشقان دل از کف دادہ کی نظر افروزیوں کے خاطر ہیں۔ جنھیں
صاحبانِ تحقیق و اہل باطن نے شیدائے نور حقیقت کا معزز خطاب
عطا فرمایا۔ ادھر شاہد حقیقی نے گوشہ نقاب سرکا کے رخ پرنور کی جھلک
دکھائی ادھر فدایان جلوۂ جمال نے نقد جان رونمائی کے لیئے
لا حاضر کیا۔ اس اجمال کی مختصر کیفیت یوں ہے۔ کہ جب حضور
سنہ ۱۳۲۲ھ میں حج بیت عتیق و زیارت مزار نبوی سے مشرف
ہوکر پھر رونق بخش ہند ہوئے تو رجب المرجب کے مہینے میں
حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں اجمیر شریف
تشریف لے گئے۔ ۶ رجب کے عرس سے فراغت پائی۔

۸۔ رجب ۱۳۲۲ ہجری کو دن کے وقت آپ محفل سماع میں مدعو تھے۔
اُس دن حضور نے اپنے ارشد تلامذہ جناب مولانا عبیداللہ صاحب سے
جنھیں ہمیشہ سعادت حضوری کا شرف حاصل رہا کرتا تھا کئی بار فرمایا کہ
مجھے وہاں جانا ہے مولانائے موصوف نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ
حضور نور اکبر بلے تو تبدیل فرمالیں۔ آپ نے لباس تبدیل فرمایا۔ اور
صاحب دعوت کے ہاں تشریف لے گئے مگر اس کی خبر کسے تھی کہ وہ وقت
اب عنقریب آیا چاہتا ہے کہ یہ نورانی لقا پیراہن عمر کو چاک کر کے لباس
جسمانی سے سبکدوش ہوگا۔ راقم آثم نے مولانا عبیداللہ کے زبان مبارک
سے سنا کہ اُس دن حضور کے جسم اطہر پر وہ کپڑے اس قدر زیب دیتے
تھے کہ بیان سے باہر ہے۔ حضرات یہ موزونی اندام کی خوبی تھی کہ وہ
لباس دنیا جو محض عاریتی تھا حضور کے جسم اقدس پر اسقدر پھبے۔ غرض
حضو کا جلسہ سماع میں تشریف لانا گویا جسم بیجان میں جان آئی تھی۔
حضور پرنور کے پہونچتے ہی قوالوں نے اپنی خوش الحانی سے محفل
سماع کو گرمایا اس وقت کی کیفیت کیا عرض کروں جب اس مقطع پر پہونچے۔

گفت قدوس فقیرے در فنا و در بقا
خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

حضور پرنور پر کیفیت وجد طاری ہوئی اور اُس حالت بیخودی میں دو دفعہ
زبان مبارک سے لفظ "خود بخود" کا نکلا اور وصال ہوگیا۔ انا
للہ و انا الیہ راجعون کچھ دیر تو لوگوں کو غشی کا شبہ رہا جب آپ
ہوش میں نہ آئے تو فوراً اسپول سرجن و اطبا ربونانی طلب ہوئے۔ سب نے

نبضین دیکھیں گروہاں تھا ہی کیا ؎

جان گئی جان کے جو یاکے پاس
پہونچا مریض اپنے مسیحا کے پاس

زمانہ زیست میں صرف یہ دو مقامات پسند خاطر عاطر تھے ایک جوار رسول ہاشمی دوسرے حضرت خواجہ غریب نواز کا پائین۔

آپ کے اوصاف و محامد کی تحریر کا کس کو یارا ہے بخدا گھنٹوں کلیجا تھام کر رہجاتا ہوں۔ جسوقت حضور کے اخلاق یاد آجاتے ہیں جب کبھی شرف حضوری حاصل ہوا بس اخلاق رسول مدنی کا نقشہ آنکھوں تلے پھر گیا۔ بیشک ایسے ہی علما آئینہ جمال و کمال احمدی کہلانے کا حق رکھتے ہیں۔ جو سامنے آیا اپنی حقیقت کا حقیقی ماہر ہوگیا۔ نہ نفس امارہ کی دہوکے باز یاں رہجاتی تھیں۔ نہ خدع طبیعت کی رنگین کاریاں۔ اپنا ہو بہو نقشہ اپنی نظر کے سامنے موجود ہوجاتا تھا۔ جو آیا نظر شفقت اس واسطے کی کہ نہال ہوگیا۔ باتیں اس انداز سے فرمائیں کہ جان تصدق کرنے کو جی چاہا۔ غرض اخلاق کی جو طرز ادا تھی وہ دلربا کہ انسان جب تک اس ملکی ملکات کے روبرو رہتا اس تنفس انفاس چند کو حاصل زندگی سمجھتا بس اسے خامہ خستہ جگر اب دل بیتاب کو ضبط کا یارا نہیں چیخ کر رو نا ہماری شریعت کے خلاف ہے دل پہ جبر کرا در منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے اسی شعر پہ صبر ؎

ہوئے نامور بے نشان کیسے کیسے
زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے

قریب خوردہ شوہر اسپر بیٹھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب بلائے گئے۔ اُدھر ڈاکٹر نے اس فتالہ عالم کے نبض پر ہاتھ رکھا اُدھر ہمارے دوست جناب بنجو دموہانی نے ناصر علی سرہندی کے رنگ صورت طرازی مین اس حالت کی تصویر کھینچ لی۔ اور فی البدیہہ یہ شعر کہا ؎

نمیدانم چہ دردی بود در فریاد بلبل را
کہ بیتابانہ میگرد صبا نبض رگ گل را

سبحان اللہ کیا برجستہ شعر کہا۔

شاہ ولی اللہ صاحب

ناصر علی سرہندی کے ہمعصر شاہ شمس ولی اللہ صاحب بھی تھے جنھون نے اُردو شاعری کی بنا ڈالی ہے۔ ولی نے ایکمرتبہ اپنے جوش ریختہ گوئی مین ناصر علی کو لکھا۔

اُچھل کر جا پڑے جون مصرعہ برق
اگر مطلع لکھون ناصر علی کون

یہ سُنکر جواب مین ناصر علی لکھتے ہین ؎

باعجاز سخن گر اڑ چلے وہ
ولی ہرگز نہ پہونچیگا علی کون

تمام شُد

جناب بیخود موہانی

ایک دن جناب بیخود موہانی ایک ایم - اے - جو کسی عدالت مین ایک معزز عہدے پر ممتاز تھے ملنے گئے - وہ لپنے نزدیک بڑی مہربانی سے پیش آئے مگر انکی ازلی اور دبید ماغی نے انہیں جبین سے نہ بیٹھنے دیا میزبان کی یہ خرعونیت مرد آفرین انداز جناب بیخود کو ایک آنکھ نہ بھائی یہ ہستی سوز طوفان کی طرح اُٹھے - اُنھون نے بیٹھنے پر اصرار کیا - اب آؤ تو جاؤ کہان - چلتے وقت آپ نے کہا کہ ایک شعر سن لیجئے اور رخصت ہمارے دوستنے یہ شعر اسی وقت موزون کرکے پڑھا ؂

تنگ آمدہ شوقم زدل وجوش تمنا بش
از ناز خودت ترس چہ گویم بیجا ابش

فیض آباد مین ایک **نواب صاحب** ایک کنجڑن پر ہزار جان سے عاشق تھے - کنجڑن کو بھی اُن سے اُنس دلی تھا ایک بار آپس مین چل گئی - پیام سلام کا سلسلہ منقطع ہو گیا - ایک روز نواب کو غش آیا یا غش لائے یہ اللہ جانے - بہرحال ایک کٹنی کنجڑن تک پہونچی اور کہا آخر تمنے نواب صاحب کی جان لے نہ لی - کنجڑن بولی ارے خدا کے لیئے کچھ مونھ سے پھوٹو تو کیا ہوا - دلالہ نے کہا کہ اب اونھین غش پہ غش چلے آتے ہین - اللہ ہی ہے جو اُن کی جان بچے - کنجڑن کا دل تو اس خبر کے سنتے ہی سکتہ ہو گیا - اور نڈھال ہو رہی تھی آخر ضبط نے خیر باد کہی اور راستے غش آ گیا - اس کا

جناب میر تقی صاحب میر

میر محمد تقی میر جب دلی سے چلے تو سیدھے لکھنؤ آئے۔ جیسا کہ مسافرون کا دستور ہے ایک سرا مین اُترے معلوم ہوا کہ آج یہان ایک جگہ مشاعرہ ہے رہ نہ سکے اُسیوقت غزل لکھی اور مشاعرے مین جاکر شامل ہوے انکی وضع قدیمانہ کھڑکی دار پگڑی پچاس گز کے گھیر کا جامہ ایک پورا تھان پستولئے کا کمر سے بندھا ایک رومال پٹری دار تہ کیا ہوا اوس مین آویزان۔ مشروع کا پاجامہ جس کے عرض کے پائنچے ناک پٹھی کی انی دار جوتی جس کی ڈیڑھ بالشت اونچی ناک۔ کمر مین ایک طرف سیف یعنی سیدھی تلوار۔ دوسری طرف کٹار ہاتھ مین جریب غرض جب داخل محفل ہوے تو وہ شہر لکھنؤ نئے انداز نئی تراشن کے بانکے ٹیڑھے جوان جمع۔ انھین دیکھ کر سب ہنسنے لگے۔ میر صاحب بیچارے غریب الوطن زمانے کے ہاتھ سے پہلی ہی دل شکستہ تھے اور بھی دل تنگ ہوے اور ایک طرف خاموش بیٹھ گئے شمع ان کے سامنے آئی پھر سب کی نظر پڑی۔ بعض اشخاص نے پوچھا حضور کا وطن کہان ہے میر صاحب نے یہ قطعہ فی البدیہ کہہ کر غزل طرحی مین داخل کیا ہے

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو ۔۔۔ ہمکو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا عالم مین انتخاب ۔۔۔ رہتے تھے منتخب ہی جہان روزگار کے
اسکو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا ۔۔۔ ہم رہنے والے ہین اسی اُجڑے دیار کے

سب کو معلوم ہوا بہت معذرت کی اور میر صاحب سے عفو تقصیر چاہی۔ صبح ہوتے ہوتے شہر مین شہرہ ہو گیا کہ میر صاحب تشریف

لائے ہیں رفتہ رفتہ نواب آصف الدولہ مرحوم نے سُنا اور دو سو روپیہ مہینہ مقرر کر دیا۔

ایک دفعہ جناب میر **محمد تقی** صاحب میر کے ایک مُرغ کو اتفاق سے بلی جھپٹ کر لے گئی آپ کو مرغ بازی سے نہایت شوق تھا فوراً ایک مثنوی اپنے مرغ کے مرثیہ میں لکھ ڈالی۔ فرماتے ہیں میرا پیارا مرغ تھا۔ بڑا اصل تھا۔ بہت خوب تھا۔ اُس پر بلّی نے حملہ کیا۔ مرغ نے بڑی دلاوری سے مقابلہ کیا اور آخر کو مارا گیا۔ مگر ایک شعر اُس کے وقت آخیر کا نہیں بھولتا کس مزے کا لکھا ہے ؎

جُھکا بسوئے قدم سر خروس حیوان کا
زمین پہ تاج گرا ہُدہُد سلیمان کا

میر **محمد تقی** صاحب میر کی قناعت و غیرت حد سے بڑھی ہوئی تھی اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اطاعت تو درکنار نوکری کے نام کی بھی برداشت نہ رکھتے تھے لیکن زمانہ جسکی حکومت سے کوئی سر نہیں پھیر سکتا اُس کا قانون اس کے برخلاف ہے نتیجہ یہ کہ فاقہ کرتے تھے دُکھ بھرتے تھے اور اپنی بد دماغی کے سایہ میں دنیا اور اہل دنیا سے بیزار گھر میں بیٹھے رہتے تھے۔ ان شکایتوں کے جو لوگوں میں چرچے تھے وہ خود بھی اُس سے واقف تھے چنانچہ ایک مخمس شہر آشوب کے مقطع میں فرماتے ہیں۔

حالت تو یہ کہ مجھکو غموں سے نہیں فراغ
دل سوزش درونی سے جلتا ہے جوں چراغ
سینہ تمام چاک ہے سارا جگر ہے داغ
ہے نام مجلسوں میں میرا میر بے دماغ
از بسکہ کم دماغی نے پایا ہے اشتہار

ابر اٹھا تھا کعبے سے اور جھوم پڑا میخانے پر
بادہ کشوں کا جھرمٹ ہے گا شیشہ اور پیمانے پر

کسی شخص نے میر کا یہ مطلع سُنکر آپ سے کہا کہ حضرت اصل محاورہ فارسی کا ہے اہل زبان نے ابر قبلہ کہا ہے ابر کعبہ نہین کہا ہے میر صاحب نے کہا ہاں قبلہ کا لفظ بھی آسکتا ہے مگر کعبہ سے ذرا مصرع کی ترکیب گرم ہوجاتی ہے جنہین زبان کا مزا ہے وہ اِس لطف کو سمجھتے ہین۔

جب میر نے یہ شعر پڑھا ؎

ہر گام سنگ رہ تھی بتخانہ کی محبت
کعبہ تلک تو پہونچا لیکن خدا خدا کر

کسی یاوہ گو نے اعتراض کیا کہ سنگ راہ کی جگہ سد راہ مناسب تر ہے کہ اس مین دشواری زیادہ ہے۔ میر صاحب نے سُنکر جواب نہ دیا۔ اور جواب نہ دینا بجا تھا کیونکہ گام کے لیئے سنگ راہ ہی مناسب ہے جس مین ہر قدم پر تکلیف ہے اور سد رہ ہوتی تو کعبہ تک کیونکر پہونچتے۔

دلی مین ایک مرتبہ میر محمد تقی صاحب میر نے ایک مشاعرے مین وہ مثنوی پڑھی جس مین اپنے تئین اژدہا قرار دیا تھا اور شعرائے عصر مین کسی کو چوہا کسی کو سانپ کسی کو بچھو کسی کو کھنکجورہ وغیرہ وغیرہ ٹھہرایا تھا۔ ساتھ اس کے ایک حکایت لکھی کہ دامن کوہ مین ایک خونخوار اژدہا رہتا تھا جنگل کے حشرات الارض جمع ہوکر اُس سے لڑنے گئے جب سامنا ہوا تو اژدھے نے ایک ایسا دم بھرا کہ سب فنا ہوگئے اس قصیدہ کا نام اژدر نامہ قرار دیا۔ محمد امان نثار شاہ حاتم کے شاگردون مین ایک مشاق موزون طبع تھے اُنھون نے وہین گوشے مین بیٹھ کر قطعہ لکھا

اور اوسی وقت سر مشاعرہ پڑھا چونکہ میر صاحب کی یہ بات کسی کو پسند نہ آئی تھی اس لیے اس قطعہ پر خوب قہقہے اڑے اور بڑی واہ واہ ہوئی۔ میر صاحب پر جو گذرنی تھی سو گذری چنانچہ مقطع قطعہ مذکور کا یہ ہے۔

حیدر کرار نے وہ زور بخشا ہے نثار
ایک دم مین دو کرون اژدر کے کلے چیر کر

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ لکھنؤ کے چند عمائد اور ارکین جمع ہو کر آئے کہ میر محمد تقی صاحب میر سے ملاقات کرین اور اشعار سنین دروازے پر آکر آواز دی لونڈی نکل آئی حال پوچھ کر اندر گئی ایک بوریا لاکر ڈیوڑھی مین بچھایا اونھین بٹھایا ایک پرانا ساحقہ لاکر سامنے رکھ گئی میر صاحب اندر سے تشریف لائے مزاج پرسی وغیرہ کے بعد اونھون نے فرمایش اشعار کی میر صاحب نے پہلے تو ٹالا مگر ان لوگون کے اصرار پر صاف جواب دیا کہ قبلہ میرے اشعار آپ کی سمجھ مین نہین آنے کے۔ اگرچہ ناگوار ہوا مگر بنظر آداب و اخلاق اونھون نے اپنی نارسائی طبع کا اقرار کیا اور پھر درخواست کی انھون نے پھر انکار کیا آخر اُن لوگون نے گران خاطر ہو کر کہا کہ حضرت انوری و خاقانی کا کلام سمجھتے ہین آپ کا ارشاد کیون نہ سمجھینگے میر صاحب نے کہا یہ درست ہے مگر اونکی شرحین مصطلحات اور فرہنگین موجود ہین اور میرے کلام کے لیے فقط محاورۂ اہل اُردو ہے یا جامع مسجد کی سیڑھیان اور اُس سے آپ محروم یہ کہکر ایک شعر پڑھا

عشق اپنے خیال پڑا ہے چین گیا آرام گیا
دل کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا

اور کہا کہ آپ بموجب اپنی کتابوں کے کہیں گے کہ خیال کی حتی کو ظاہر کرو پھر کہیں گے کہ حتی تقطیع میں گرتی ہے ۔ مگر یہاں اسکے سوا جواب نہیں کہ محاورہ یہی ہے ۔

میر محمد تقی صاحب میر جس محلے میں رہتے تھے اُسی بازار میں ایک عطار کی دوکان تھی آپ بھی کبھی کبھی وہاں دل بہلانے کے لیئے جا بیٹھتے تھے اُس کا نوجوان لڑکا بہت بناؤ سنگھار کرتا رہتا تھا میر صاحب کو بُرا معلوم ہوتا تھا اسپر فرماتے ہیں ؎

کیفیتیں عطار کے لونڈے میں بہت ہیں
اس نسخے کی کوئی نہ رہی ہم کو دوا یاد

کسی وقت طبیعت شگفتہ ہو گئی ہو گی جو فرماتے ہیں ۔

میر کیا سادے ہیں بیمار ہوئے جسکے سبب
اُسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

ایک دن میر محمد تقی صاحب میر کی ملاقات کو ایک صاحب گئے ۔ نکلتے جاڑوں کے دن تھے بہار کی آمد تھی دیکھا کہ ٹہل رہے ہیں ۔ چہرہ پر افسردگی کا عالم ہے اور رہ رہ کر یہ مصرعہ پڑھتے ہیں ع

اب کے بھی دن بہار کے یونہیں گذر گئے

یہ سلام کر کے بیٹھ گئے تھوڑی دیر بیٹھے اور پھر سلام کر کے چلے آئے ۔ میر صاحب کو خبر بھی نہ ہوئی خدا جانے دوسرے مصرعہ کی فکر میں تھے ۔ یا اس مصرعہ کی کیفیت میں محو تھے ۔

جناب میر کے عہد میں بقاء اللہ خان بقا نے یہ ایک شعر لکھا

ان آنکھوں کا نت گریہ دستور ہے — دو آبہ جہان میں یہ مشہور ہے

میر صاحب نے خدا جانے سنکر کہا یا توارد ہوا اسی مضمون کو یوں لکھا ہے۔

دے دن گئے کہ آنکھیں دریا سی بہتیاں تھیں ؎

سو کھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ دو آبہ

اس پر بقا نے بگڑ کر یہ قطعہ کہا ہے

میر نے گر میرا مضمون دو آبہ کا لیا — اے بقا تو بھی دعا دے جو لئے دیتی ہو

یا خدا میر کی آنکھوں کو دو آبہ کر دے — اور بینی کہ یہ عالم ہو کہ تر بینی ہو

سودا و میر کے کلام میں اکثر چشمکیں ہوتی تھیں چنانچہ ایک مرتبہ

سودا لکھتے ہیں ع

سودا تو اس غزل کو غزل در غزل ہی کہہ — ہونا ہے تجھکو میر سے استاد کی طرح

جسکے جواب میں میر صاحب فرماتے ہیں ع

طرف ہونا میرا مشکل ہے میر اس شعر کے فن میں ؎

یو ہیں سودا کبھی ہوتا ہے سو جاہل ہے کیا جانے

میر محمد تقی صاحب میر کے ایک صاحبزادی نہایت حسین
اور سلیقہ شعار تھی۔ اولاد سے کسے محبت نہیں ہوتی انکو بھی اس لڑکی کے
ساتھ بے انتہا محبت تھی۔ جب یہ لڑکی سن تمیز کو پہونچی۔ میر صاحب نے
اس کی شادی کر دی۔ اتفاقیہ عین شب عروسی کو ان کی یہ پیاری بیٹی
دنیا سے چل بسی۔ اس سانحہ قیامت خیز سے ہر چھوٹا بڑا استشدر و حیران
تھا جس وقت جناب میر نے یہ سنا بس کلیجہ تھام کر رہ گئے فوراً سینہ ڈسر

پیٹ لیا اور میت کے سرہانے آکر نہایت دردناک لہجے مین یہ شعر پڑھا کہ جسکے سُننے سے سُننے والون کا کلیجہ ٹکڑے ہونے لگا در و دیوار سے ماتم کی صدا آنے لگی ہائے کیا پُر اثر شعر ہے کہ اب بھی اسکے ایک ایک حرف نشتر کا کام دے رہے ہین آپ فرماتے ہین ؎

اب آیا دھیان اے آرام جان اس نامرادی مین
کفن دینا تمھین بھولے تھے ہم اسباب شادی مین

جب میر محمد تقی صاحب میر کا یہ شعر سودا نے سُنا ؎

سرہانے میر کے آہستہ بولو ابھی ٹک روتے روتے سوگیا ہے

یہ میر صاحب کے شعر کو سُن کر مسکرائے اور کہا کہ شعر تو میر صاحب کا ہے مگر دردخواہی اونکے دوا کی معلوم ہوتی ہے پھر اسی مضمون کو خود یون باندھا ہے ؎

سودا کی جو بالین پہ ہوا شور قیامت خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

اس مضمون کو اور اوستادون نے بھی لکھا مگر جسکا حصہ تھا ہوچکا منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی مرحوم یون فرماتے ہین ؎

شور محشر امیر کو نہ جگا سوگیا ہے غریب سونے دے

میرے اوستاد مولوی احمد حسین صاحب تمنا ان سب سے بچ کر یون لکھتے ہین ؎

آہستہ دبے پاؤن صبا ہو کے نکلنا
مرقد مین تمنا کی ابھی آنکھ لگی ہے

اب دیکھنے والے خود دیکھ سکتے ہین کہ کس نے کیا بات پیدا کی ہے۔

مرزا محمد رفیع سودا

نواب آصف الدولہ مرحوم کے اناکی لڑکی خوردسال
تھی لیکن بڑی شوخ تھی نواب فرشتہ سیرت کی طبیعت میں ایک حد تک تحمل
اور بے پروائی تھی دوسرے اسکی ماں کا دودھ پیا تھا۔ ناز برداری نے
اسکی شوخی کو شرارت کردیا ایک دن دوپہر کا وقت تھا۔ نواب سورہے
تھے ایسا غل مچایا کہ یہ بدحواس ہوکر جاگ اٹھے بہت جھنجھلائے اور
خفا ہوتے ہوے باہر نکل آئے سب ڈر گئے۔ کہ آج نواب کو غصہ آیا
خدا خیر کرے باہر آکر حکم دیا۔ کہ مرزا کو بلاؤ مرزا سودا اسی وقت حاضر ہوے
فرمایا کہ بھائی مرزا اس لڑکی نے مجھے بڑا حیران کیا ہے تم اسکی ہجو کہہ دو
یہاں تو ہر وقت مصالح تیار تھا اوسی وقت قلمدان لے کر بیٹھ گئے اور مثنوی
تیار کردی کہا ایک شعر اسکا لکھتا ہوں

لڑکی وہ لڑکیوں میں جو کھیلے — نہ کہ لونڈوں میں جا کے ڈنڈ پیلے

جبکہ فخر شعراے زمین ایران **شیخ علی حزین** وارد ہندوستان
ہوے پوچھا کہ شعراے ہند میں آجکل کوئی صاحب کمال ہے لوگوں نے سودا
کا نام لیا اور سودا خود ملاقات کو گئے شیخ کی عالی دماغی اور نازک
مزاجی شہرۂ آفاق ہے نام و نشان پوچھ کر کہا کہ کچھ اپنا کلام سناؤ سودا
نے یہ مطلع پڑھا

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

شیخ نے کہا تڑپے چہ معنی دارد سودا نے کہا کہ اہل ہند طپیدن را تڑپنا میگویند

شیخ نے پھر شعر پڑھوایا اور زانو پر ہاتھ مار کر کہا کہ مرزا رفیع قیامت کر دی یکمرغ قبلہ نما باقی بود آنرا ہم نگذاشتی یہ کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور بغل گیر ہو کر پاس بٹھایا۔

ایک دن سودا مشاعرے مین بیٹھے تھے لوگ اپنی اپنی غزلین پڑھ رہے تھے۔ ایک شریف زادہ کی ۱۲-۱۳ برس کی عمر اُس نے غزل پڑھی مطلع تھا ؎

دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینہ کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

گرمی کلام پر سودا بھی چونک پڑے پوچھا یہ مطلع کس نے پڑھا لوگون نے کہا حضرت یہ صاحبزادہ ہے۔ سودا نے بہت تعریف کی کئی مرتبہ پڑھوایا اور کہا میان لڑکے جوان ہوتے نظر نہین آتے۔ خدا کی قدرت انھین دنون مین وہ لڑکا جل کر مر گیا۔

خان آرزو کے مکان پر مشاعرہ ہوتا تھا سودا ان دنون جوان تھے مطلع پڑھا ؎

آلودہ قطرات عرق دیکھ جبین کو
اختر پڑے جھانکے ہین فلک سے زمین کو

یا تو لاعلمی سے یا ان کی آتش بیانی کے ڈر سے کوئی نہ بولا مگر خان آرزو جنکی دایۂ قابلیت کے فیض سے مظہر، سودا، میر، درد وغیرہ نے پرورش پائی تھی اونھون نے فوراً یہ شعر پڑھا۔

ش

شعر سودا حدیث قدسی ہے
چاہیئے لکھ رکھیں فلک پہ ملک

قدسی ؎

الودۂ قطرات عرق دیدہ جبین را   اختر ز فلک می نگرد دروے زمین را

سودا بے اختیار اٹھ کھڑے ہوے اور خانصاحب کے گلے سے لپٹ گئے اور اس شکر کے ساتھ خوشی ظاہر کی کہ گویا حقیقتہً خانصاحب نے انکے کلام کو مثل حدیث قدسی تسلیم کیا۔

ایک دن سودا میر سوز کے ہان تشریف لائے اُن دنون مین شیخ علی حزین کے غزل کا چرچا تھا۔ جسکا مطلع یہ ہے ؎

مے گرفتیم بجا تا سر راہے گاہے
اوہم از لطف نہان داشت نگاہے گاہے

میر سوز مرحوم نے اپنا مطلع پڑھا ؎

نہین نکلے ہے میرے دلکی اُبا ہے گاہے   اے فلک بہر خدا رخصت آہے گاہے

مرزا صاحب سنکر بولے کہ بچپن مین ہمارے ہان پشور کی ڈومنیان آیا کرتی تھیں یا تو جب یہ لفظ سنا تھا یا آج سنا ہے پھر مرزا نے خود اُسیوقت مطلع کہکر پڑھا ؎

نہین جون گل ہوس ابر سیاہے گاہے   کہ وہ ہون تنگ ہین اے برق نگاہے گاہے

یہان جرأت کی اُن دنون مین ابتدا تھی خود جرأت نہ کر سکے ایک اور شخص نے کہا کہ حضرت کچھ یہ بھی عرض کیا چاہتے ہین مرزا نے کہا کیون نہیں کہو۔ جرأت نے پڑھا ؎

سرسری اُنسے ملاقات ہوگئی ہے گاہے   صحبت غیر مین گاہ سر راہے گاہے

میاں مصحفی رح

انشاء اللہ خان و میاں مصحفی سے ہمیشہ جب تک انشاء اللہ خان زندہ رہے چوٹیں چلا کیں۔ جب انشاء اللہ خان کا آخیر وقت ہوا۔ میاں مصحفی نے سنا کہ آج انشاء کی بری حالت ہے اب کوئی دم کے اور مہمان ہیں۔ اسوقت یہ ان کے مکان پر عیادت کے لیئے آئے۔ دیکھا تو عالم نزع میں دم توڑ رہے ہیں ؎

سانس اکھڑی ہے سر سینہ ہے ماتھے پر موت کا پسینہ ہے

مصحفی نے نبض پر ہاتھ رکھکر جو دیکھا تو کمال حسرت کے ساتھ ان کی زبان سے بیساختہ یہ مصرعہ نکل گیا ع

ترے بیمار کو ہی عزم سفر آجکی رات

انشاء نے آنکھیں کھولدیں اور بے اختیار یہ کہہ اوٹھے کہ ع

نبض چل بسنے کی دیتی ہے خبر آجکی رات

یہ کہہ کے بس آنکھیں بند کرلیں اور جان بحق تسلیم ہوئے مصحفی کو انشاء کے مرجانے کا نہایت غم ہوا بعد انکے پھر اونھیں لطف شاعری نہ آیا۔ چنانچہ ایک مقطع میں فرماتے ہیں ؎

مصحفی کس زندگانی پہ بھلا ہیں شاد ہوں بادہی مرگ قتیل و مرزا انشاء مجھے

میاں مصحفی ایک مشاعرے میں اپنی یہ غزل پڑھ رہے تھے حسن اتفاق سے میر تقی مرحوم بھی موجود تھے ؎

تھما تھ وہ ہاتھوں کی حنا لیگئی دلکو ٹکڑے کیے چھپانیکی ادا لیگئی دلکو

جب یہ شعر پڑھا ؎

یہان لعل فسون ساز نے باتون مین لگایا
دے پیچ ادھر زلف اڑا لے گئی دلکو

تو میر صاحب قبلہ نے بھی فرمایا کہ ذرا اس شعر کو پھر پڑھنا انکا اتنا کہنا ہزار تعریفون کے برابر تھا شیخ موصوف اسیقدر الفاظ کو فرمان آل تمغہ اپنے کمال کا سمجھے بلکہ کئی دفعہ اٹھ اٹھ کر سلام کیے اور کہا کہ مین اس شعر پر اپنے دیوان مین ضرور لکھونگا کہ حضرت نے دوبارا پڑھوایا۔

ایک مرتبہ میان مصحفی نے مرزا سلیمان شکوہ کے مشاعرے مین ایک غزل پڑھی جسکا مقطع یہ ہے۔

تھا مصحفی یہ مائل گریہ کہ پس از مرگ
تھی اوسکی دھری چشم پہ نابوت مین انگلی

جب مصحفی چلے گئے تو یارون مین انکے بعض اشعارون پر بہت چرچے ہوئے اور غزل کو الٹ کر بڈھے بیچارے کے کلام کو خراب کیا مقطع کو اسطور سے بنایا تھا ؎

تھا مصحفی کانا جو چھپا نیکو پس از مرگ
رکھے ہوئے تھا آنکھ پہ تابوت مین انگلی

غرضکہ جب یہ خبر شیخ مصحفی کو پہونچی وہ پرانا مشاق لکھنؤ بھر کا اوستاد کچھ چھوٹا آدمی نہ تھا۔ باوجود بڑھاپے کے بگڑ کھڑا ہوا۔ اور یہ غزل فخریہ اس کے جواب مین کہی۔

مدت سے ہو نہین سرخوش صہبائی شاعری
نادان ہی جسکو مجھسے ہو دعوائی شاعری

مین لکھنؤ مین زمزمہ سنجان شعر کو
برسون دکھا چکا ہون تماشائی شاعری

چھپتا نہین ہے بزم امیران دہر مین
شاعر کو میرے سامنے غوغائی شاعری

اک طفنہ خر سے کام پڑا ہی مجھے کہ ہاے　　سمجھے ہے آپ کو وہ مسیحائے شاعری
ای مصحفی زگوشہ خلوت بردن خرام　　خالی ست از بر لے تو خود جائے شاعری
ہر سفلہ از زبان بیان تو کے رسد　　از ہی تو لی فغانی و بابا ئے شاعری
مجنون منم چرا دگرے رنج مے برد　　در حصہ من آمدہ لیلائے شاعری

میاں مصحفی ایک مرتبہ ایک سقنی سے نگاہ ناز کے بسمل جو ہوئے تو منہ مین پانی بھر آیا آپ نے ایک غزل لکھی اوس غزل کے چند شعر ظریفانہ الفاظ مین ہین ملاحظہ فرمایئے شیخ صاحب فرماتے ہین

اشعار

پانی بھرے ہی یار وہاں تو مزی دوشالہ　　لنگی کی سج دکھا کر سقنی نے مار ڈالا
کاندھی پہ مشک لیکر جب قد کو خم کرے ہی　　کافر کا نشہ حسن ہو جائے ہے دوبالا
دریا ئے خون مین کیونکر ہم نیم قد نہ ڈوبین　　لنگی کے رنگ سے جب دہان تا کمر ہو لالا

میاں مصحفی ابھی زندہ تھے اور خواجہ صاحب کی طبیعت بھی اپنی گرمیاں دکھانے لگی تھی جو مشاعرے مین طرح ہوئی دہن بگڑا یا سمن بگڑا۔ اس مین سب نے غزلین لکھین آتش نے بھی غزل لکھ کر اپنے اوستاد شیخ مصحفی کو سنائی اور جب یہ شعر سنائے۔

اشعار

امانت کسطرح رکھا زمین نے روز محشر تک　　نہ اک مو کم ہوا اپنا نہ اک تار کفن بگڑا
لگو منہ بھی چڑھانے دینے دیتے دیکھیو کا لیاں کہنا　　زبان بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجیئے دہن بگڑا

نشہ کے سرور مین آکر کہا کہ اوستاد اس ردیف قافیے مین کوئی یہ شعر نکالے تو کلیجہ نکل پڑتا ہے۔ انھون نے ہنسکر کہا کہ ہان میان سچ کہتے ہو اب تو کسی سے ایسے شعر نہین ہو سکتے۔ بعد اس کے ایک نومشق لڑکے کی غزل کو توجہ سے بنایا اور اُس مین اونھین دو قافیون کو اسطرح باندھا۔

اشعار

لکھا ہو خاک کوئی پارسی اے دیدۂ گریان — قیامت مین جو نکلا گر کوئی حرف غلط بگڑا
نہ محسوس ہو جو شی کسطرح نقشے مین ٹھیک اترے — شبیہ یار کھچوائی کمر بگڑی دہن بگڑا

اگرچہ اُن شعرون مین اور ان شعرون مین جو نسبت ہے وہ ان جواہرات کے پرکھنے والے ہی جانتے لیکن مشاعرے مین بہت تعریف ہوئی چونکہ لڑکے کے مُنہ پر یہ شعر کھلتے نہ تھے اس لئے تاڑنے والے تاڑ گئے کہ اوستاد کی اُستادی ہے۔ خواجہ صاحب اوسیوقت اُٹھ کر شیخ مصحفی کے پاس جا بیٹھے اور غزل ہاتھ سے پھینک کر کہا کہ یہ آپ ہمارے کلیجے مین چھریان مارتے ہین نہین تو اس لونڈے کا کیا مُنہ تھا جو ان قافیون مین شعر نکال لیتا۔

(آبِ حیات)

تمام شد

سید انشاء اللہ خان انشاء

سید انشاء کا عالم نوجوانی تھا مشاعرے میں غزل پڑھی ؎

جھڑکی سہی ادا سہی چین جبیں سہی — سب کچھ سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی

جب یہ شعر پڑھا ؎

گر نازنیں کہے سے برا مانتے ہو تم — میری طرف تو دیکھیے میں نازنیں سہی

سودا کا عالم پیری تھا مشاعرے میں موجود تھے بولے دریں چہ شک -

مرزا عظیم بیگ ایک شاعر سید انشا کے زمانہ میں تھے سودا کے دعوی شاگردی اور پرانی مشق کے گھمنڈ نے اونکا دماغ بہت بلند کر دیا تھا وہ معمولی لیاقت کے آدمی تھے مگر اپنے تئیں ہندوستان کا صائب سمجھتے تھے اور خصوصاً ان معرکوں میں سب سے بڑھکر قدم مارتے تھے - چنانچہ وہ ایک دن میر ماشاء اللہ خان کے پاس آئے اور غزل سنائی کہ بحر رجز میں تھی مگر ناواقفیت سے کچھ شعر رمل میں جا پڑے سید انشاء بھی موجود تھے تاڑ گئے حد سے زیادہ تعریف کی اور اصرار سے کہا کہ مرزا صاحب آپ مشاعرے میں ضرور پڑھیں مدعی کمال کہ مغز سخن سے بے خبر تھا اوسنے مشاعرے عام میں غزل پڑھ دی - سید انشاء نے وہیں تقطیع کی فرمائش کی اس وقت اوس غریب پر جو گذری سو گذری مگر سید انشاء نے اوس کے ساتھ سب کو لے ڈالا اور کوئی دم نہ مار سکا بلکہ ایک مخمس پڑھا ؎

مخمس

گر تو مشاعرے میں صبا آجکل چلے — کہیو عظیم سے کہ ذرا وہ سنبھل چلے

اتنا بھی حد سے کوئی نہ باہر نکل چلے   پڑھنے کو شب جو یار غزل در غزل چلے
بحر رجز کو چھوڑ کے بحر رمل چلے

اگرچہ مرزا عظیم بیگ نے گھڑا کر اس مخمس کی طرح میں اپنی بساط کے بموجب دل کا بخار نکالا مگر وہ شکست بعد از جنگ تھی اوس میں سے ایک بند لکھتا ہوں ملاحظہ فرمایئے مرزا اعظم بیگ کہتے ہیں -

موزونی و معانی میں پایا نہ تم نے فرق   تبدیل بحر سے ہوئے بحر خوشی میں غرق
روشن ہے مثل مہر یہ از غرب تا بہ شرق   شہ زور اپنے زور میں گرتا ہے مثل برق
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

ایک دن کا ذکر ہے کہ نواب سعادتعلیخان نے روزہ رکھا اور حکم دیا کہ کوئی آنے نہ پادے سید انشاء کو کوئی ضروری کام تھا یہ پہونچے - پہرہ دار نے کہا آج حکم نہیں ہے آگے آپ مالک ہیں باوجود انتہا سے مرحمت کے یہ بھی مزاج سے ہشیار رہتے تھے تھوڑی دیر تامل کیا آخر کمر کھول دستار سر سے بڑھا فیا اُتار ڈالی اور ڈوپٹہ عورتوں کی طرح سے اوڑھ کر ایک ناز و انداز کے ساتھ جا کھڑے ہوے جوان نواب نے نظر اوٹھائی اور ان کی طرف دیکھا آپ اونگلی ناک پر دھر کر بولے ؎

ایسی گرمی میں نہ رکھ تجھ پہ میں واری رُوزہ
بندی رکھ لیگی ترے بدلے ہزاری رُوزہ

نواب بے اختیار ہنس پڑے اور جو کچھ کہنا سننا تھا وہ کہا اور ہنستے کھیلتے باہر چلے آئے -

سید انشاء تفریح و تضحیک کے اعتبار سے کسی جلسے مین اونکا آنا بھانڈون کے آنے سے کم نہ تھا۔ میان مصحفی اُنکی ہجویات کے ضمن مین فرماتے ہین جسکا ایک مصرعہ اس موقع پر لکھتا ہون ۔ ع

واللہ کہ شاعر نہین تو بھانڈ ہے بھڑوے

سید انشاء نے اس کے جواب مین بہت کچھ لکھا مگر وہ مشہور نہین ہوا اور نہ اونکی کلیات مین ہے ۔

انشاء اللہ خان کی ظرافت و بذلہ سنجی تو مشہور ہی ہے ایک دن بادشاہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے گرمی سے گھبرا کر دستار سر سے اتار کر رکھ دی تھی منڈا ہوا سر دیکھ کر نواب کو بھی مذاق سوجھا ایک دھول سر پر جمادی آپ نے جلدی سے دستار سر پر رکھ لی اور کہا سبحان اللہ بچپن مین بزرگ سمجھایا کرتے تھے وہ بات سچ ہے کہ ننگے سر کھانا کھانے مین شیطان دھولین مارا کرتا ہے ۔

میان جرأت کا بھی وہی زمانہ تھا ۔ یہ بیچارے آنکھون سے معذور تھے ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ میان جرأت انشاء کو ملے دیکھا تو ان کے چہرہ سے کچھ فکر کے آثار نمایان تھے ۔ انشاء نے مزاج پرسی کے بعد پوچھا کہ اوستاد کیا فکر ہے ۔ میان جرأت بول اوٹھے کہ ایک مصرعہ ہوا ہے دوسرے مصرعہ کی فکر مین ہون انھون نے کہا ارشاد ہو وہ کون سا مصرعہ ہے جرأت نے یہ مصرعہ پڑھا ۔ ع

زلف اوس کی ہے نسبت شب دیجور کی سوجھی

انشاء نے فوراً ہی دوسرا مصرعہ لگا کر پڑھا اور کہا اوستاد مصرعہ تو ہو گیا

اونھون نے کہا پڑھو آپ نے یہ مصرعہ پڑھا ع

تاریکی مین اندھے کو بہت دور کی سوجھی

میان جرأت برہم ہوے اور لاٹھی لیکر دوڑے مگر یہ ہوا ہو گئے

لکھنؤ مین میر علی صاحب ایک مرثیہ خوان تھے کہ علم موسیقی مین اونھون نے حکیم کا مرتبہ حاصل کیا تھا مگر اپنے گھر ہی مین مجلس کرکے پڑھتے تھے کہین اور جاکر نہ پڑھتے تھے نواب سعادت علی خان نے اُن کے شہرۂ کمال کے سبب مشتاق ہوکر طلب کیا اونھون نے انکار کیا۔ اور کئی پیغام سلام کے بعد یہ کہا کہ اگر وہ حاکم وقت ہین تو مین بھی سیادت کے اعتبار سے شاہزادہ ہون اونھین میرے ہان آنے سے عار ہے! نواب نے کہا کہ سید میرے ہان ہزارون سے زیادہ ہین میر صاحب نے اگر فخر پیدا کیا تو یہی کیا کہ سید تھے اب ڈوم بھی ہو گئے خیر اونھین اختیار ہے۔ میر علی صاحب نے یہ سُنکر خیالات چند درچند سے فوراً دکن کا ارادہ کیا۔ سید انشا جو شام کو گھر آئے تو دیکھا کہ کچھ سامان سفر ہو رہا ہے سبب پوچھا تو وہ معاملہ معلوم ہوا اوسی وقت کمر باندھ کر پہونچے۔ نواب سعادت علی خان نے متحیر ہوکر پوچھا کہ خیر باشد پھر کیون آئے اُنھون نے ایک غزل پڑھی جسکا ایک شعر یہ ہے ؎

یارب بنا بنی مین ہمیشہ بنی رہے | دولت بنی ہے اور سعادت علی بنا

پھر کہا حضور! غلام جو اسوقت رخصت ہوکر چلا تو دل نے کہا کہ اپنے دولھا دلھن (عروس سلطنت) کو ذرا دیکھون حضور وہ واقعی کہ بارہ ابرن سولہ سنگار سے سجی تھی۔ سر پر جھومر وہ کون مولوی دلدار علی صاحب۔ کانون مین جھومکے وہ کون دونون صاحبزادے گلے مین نولکھا ہار وہ کون خان علامہ غرض اسی طرح سے

چند زیورون کا نام لیکر کہا کہ حضور غور کرتا ہون تو ناک مین نتھ نہین دل دہک سے ہو گیا۔ اللہ سہاگ قایم رکھے یہ کیا۔ نواب نے پوچھا کہ پھر وہ کون کہا حضور نتھ میر علی صاحب بعد اس کے مفصل کیفیت بیان کی نواب نے ہنسکر کہا کہ اون کی دور اندیشیان بیجا ہین مین ایسے صاحب کمال کو فخر لکھنو سمجھتا ہون۔ غرض اس شہرت بے اصل کے دفعیہ کے لیئے ترقی کا پروانہ اور پانسو روپیہ کا خلعت لیکر وہان سے پھرے۔ میر صاحب سے ملے اور اُن کو اس ارادے سے باز رکھا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ نواب **سعادت علی خان** و جان بیلی صاحب جو رزیڈنٹ اودہ تھے ساپس مین گفتگو کر رہے تھے اثناے گفتگو مین نواب صاحب نے کہا ہجر بالفتح ہے جان بیلی صاحب نے کہا خلاف محاورہ ہے سعادت علی خان بولے کہ خیر لغت کے اعتبار سے جب درست ہے تو استعمال مین کیا مضایقہ لتنے مین سید انشا آ گئے نواب نے کہا کیون سید انشا ہجر و ہجر مین تم کیا کہتے ہو انھین یہان کی خبر نہ تھی بیساختہ کہہ اوٹھے کہ ہجر بالکسر ہے اور ساتھ ہی سعادت علی خان کی تیوری تاڑ گئے۔ اور فوراً بولے حضور جب ہی تو جامی فرماتے ہین ؎

شب وصل است وطی شد نامہ ہجر سلام ہی حتی مطلع الفجر

یہ سنتے ہی سعادت علی خان شگفتہ ہو گئے اور اہل دربار ہنس پڑے۔

جان بیلی صاحب کے ساتھ علی نقی خان میر منشی رزیڈنسی بھی نواب سعادت علی خان کے دربار مین آیا کرتے تھے اثنا گفتگو مین کسی کی زبان سے نکلا۔

شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

اونھون نے کہا کہ گلستان کے ہر شہر مین مختلف روایتین ہین اور

لطف یہ کہ کوئی کیفیت سے خالی نہیں چنانچہ ہو سکتا ہے ع
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

سعادت علی خان نے سید انشار کی طرف دیکھا انھون نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ حضور میر منشی صاحب بجا فرماتے ہین غلام نے بھی ایک نسخہ گلستان مین یہی دیکھا تھا ؎

نا مرد سخن نگفتہ باشد   عیب و ہنرش نہفتہ باشد
ہر بیشہ گمان مبر کہ خالیست   شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

بلکہ وہ نسخہ بہت صحیح اور محشی تھا اس مین گفتہ اور نہفتہ کے کچھ معنی بھی لکھے تھے میر منشی صاحب آپ کو یاد ہین۔ وہ نہایت شرمندہ ہوے اور جب رخصت ہونے لگے تو انشار اللہ خان نے فرمایا میر منشی صاحب کا اللہ بیلی۔

دلی مین **حافظ احمد یار** ایک معقول صحبت یافتہ نامور حافظ اور سرکار شاہی مین حافظ قرآن مین نوکر تھے اگرچہ دنیا مین ایسا کون تھا جس سے سید انشار یارانہ نہ تھا مگر حافظ احمد یار کے بڑے یار تھے انکا سجع بھی کہا تھا۔

اللہ حافظ احمد یار

حافظ صاحب ایک دن ملنے گئے راستہ مین مینھ آگیا اور سید انشار کے گھر تک پہونچتے پہونچتے موسلا دھار برسنے لگا۔ یہ جا کر بیٹھے ہی تھے جو حرم سرا سے ننگے ایک کہاروے کی لنگی باندھے آپ دوڑے آئے انھین دیکھتے ہی اوچھلنے لگے ہاتھ پھیلا پھیلا کر گرد پھرتے اور کہتے جاتے تھے۔

شعر

بھر بھر بھر چھاجون برستا نور   زدلیان دسن ددر

ایک دن انشاء اللہ خان دربار سے آکر کمر کھول رہے تھے کہ چوبدار آیا اور کہا کہ جناب عالی پھر یاد فرماتے ہین یہ بیچارے پھر گئے تو کیا دیکھتے ہین کہ کوٹھے پر فرش ہے۔ چاندنی رات ہے پہیے دار چھپر کھٹ مین نواب صاحب بیٹھے ہین پھولون کا گہنا سامنے دھرا ہے ایک گجرا ہاتھ مین ہے اوسے اوچھالتے ہین۔ اور پاؤن کے اشارے سے چھپر کھٹ آگے بڑھتا جاتا ہے انشا نے پہونچ کر مودبانہ سلام کیا نواب صاحب نے فرمایا۔ کہ انشا کوئی شعر تو پڑھو۔ یہ دن بھر کے پریشان ویسے ہی قافیہ تنگ شعر کیا خاک یاد آئے۔ خیر اوسی وقت جو کچھ سمجھ مین آیا وہین کہہ کر یہ شعر پڑھ دیا۔

شعر

لگا چھپر کھٹ مین چار پہیے اُچھالا تو نے جو لیکے گجرا
تو موج دریاے چاندنی مین وہ ایسا چلتا تھا جیسے بجرا

یہ مطلع سنکر نواب صاحب خوش ہو گئے۔ فرمایئے اسے شاعری کہتے ہین ا
اس معاملہ مین میان بیتاب کا قول لکھ رکھنے کے قابل ہے کہ سید انشا کے فضل وکمال کو شاعری نے کھویا اور شاعری کو سعادت علی خان کی مصاحبت نے ڈبویا۔

تمام شد

خاقانی ہند حضرت ذوق

ایک دن دربار بہادر شاہ ظفر میں میان ذوق مرحوم اُستاد شاہ بھی موجود تھے۔ ایک مرشدزادے تشریف لائے وہ شاہ بیگمی اور مرشدزادہ کی یا بیگمات میں سے کسی بیگم کی طرف سے کچھ عرض لیکر آئے تھے اونھون نے آہستہ آہستہ بادشاہ سے کچھ کہا اور رخصت ہوئے۔ حکیم احسن اللہ خان بھی موجود تھے اونھون نے عرض کی صاحب عالم اس قدر جلدی؟ یہ آنا کیا تھا اور تشریف لیجانا کیا تھا۔ صاحب عالم کی زبان سے اُس وقت نکلا کہ ع

اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی سے چلے

بادشاہ نے اُستاد کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ اوستاد دیکھنا کیا صاف مصرعہ ہوا ہے اوستاد نے بے توقف عرض کی کہ حضور سے

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی سے چلے

یہ آخیر عمر کی غزل ہے اس کے دو تین ہی برس بعد آپ کا انتقال ہو گیا

ایک دفعہ قلعہ میں مشاعرہ تھا حکیم آغا جان عیش کہ کہنہ سال مشاق اور نہایت زندہ دل شاعر تھے اوستاد ذوق مرحوم کے قریب ہی بیٹھے تھے۔ زمین غزل تھی۔ یار رہے۔ بہار رہے۔ روزگار رہے۔ حکیم آغا جان عیش نے ایک شعر اپنی غزل میں پڑھا سے

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لیے
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گذار دے

اونکے ہان بھی اسی مضمون کا ایک شعر تھا۔ اپنے ایک دوست سے جو پہلو میں

ان کے بیٹھے تھے اون سے کہنے لگے کہ مضمون لڑگیا۔ اب میں وہ شعر نہ پڑھونگا!
انھون نے کہا کہ کیون نہ پڑھو نہ پہلے انھون نے آپ کا مضمون سُنا تھا
نہ آپ نے اُنکا اس سے بھی طبیعتون کا اندازہ ملتا ہے کہ ایک منزل پر
دونون کی فکر پہونچی۔ مگر کس کس انداز سے چنانچہ حکیم صاحب مرحوم کے
بعد ہی ان کے آگے شمع آئی انھون نے پڑھا ؎

اے شمع تری عمر طبیعی ہے ایک رات
روکر گذار یا اسے ہنسکر گذار دے

جب ذوق مرحوم کی عمر ۱۹ سال کی تھی انھون نے ایک قصیدہ لکھکر دربار مین پیش کیا جس کے مختلف شعرون مین بانواع واقسام کے صنایع و بدایع صرف کیے تھے جسکا مطلع یہ تھا ؎

جبکہ سرطان واسد مہر کا ٹھہرا مسکن — آب ایلولہ ہوئے نشو و نمائے گلشن

اس پر بادشاہ نے خاقانی ہند کا خطاب عطا فرمایا۔ خاقانی ہند کے خطاب پر لوگون نے بڑے بڑے چرچے کئے کہ بادشاہ نے یہ کیا کیا کُہن سال اور نامی شاعرون کے ہوتے ایک نوجوان نومشق کو ملک الشعرا بنادیا اور ایسا اعلی درجہ کا خطاب دیا ایک جلسہ مین یہی گفتگو ہورہی تھی کسی نے کہا جس قصیدے پر یہ خطاب ہوا ہے اسے بھی تو دیکھنا چاہیئے چنانچہ قصیدہ منگا کر پڑھا گیا۔ میر کلو حقیر کہ شاعر سن رسیدہ اور شعرائے قدیم کے صحبت یافتہ تھے سُن کر بولے کہ بھئی انصاف شرط ہے کلام کو بھی تو دیکھیے ایسے شخص کو بادشاہ نے خاقانی ہند کے خطاب سے ملک الشعرا بنادیا تو کیا بُرا کیا۔

ایک دن ایک شخص نے ذوق مرحوم سے کہا کہ میرے ایک دوست کا نام غلام علی ہے اور باپ کا نام غلام محمد ہے اوس نے نہایت تاکید سے فرمایش کی ہے کہ حضرت سے ایسا سجع کہوا دو کہ جس مین دونو نام آجائین آپ نے سن کر وعدہ کیا اور کہا کہ دو تین دن مین آپ آسیئے گا انشاءاللہ ہوجائے گا وہ رخصت ہوکر چلے ڈیوڑھی کے باہر نکلے ہون گے جو نوکر سے کہا محمد بخش بلّا نا انھین لینا لینا خوب ہوا کہ ان کے تقاضے سے جلد ہی مخلصی ہوگئی جب وہ لوٹے تو اونھون نے یہ سجع لکھ کر حوالہ کیا ع

پدر غلام محمد پسر غلام علی

دیوان چندو لعل نے حیدرآباد سے حضرت ذوق کا شہرہ سُن کر مصرعہ طرح بھیجا اور یہ بھی لکھا کہ آپ تشریف لائین آپ نے غزل کہہ کر بھیجدی اور مقطع مین یہ شعر لکھا ؎

آجکل گرچہ دکن مین ہے بڑی قدر سخن
کون جائے ذوق پر دلی کی گلیان چھوڑ کر

انھون نے خلعت اور پانسو روپیہ بھیجے مگر آپ نہ گئے

ایک دفعہ کا ذکر ہے ذوق مرحوم نے بادشاہ کی غزل مین یہ مطلع لکھا ؎

آج ابرو کی ترے تصویر کھچ کر رہ گئی
سینے مین جو پال مین شمشیر کھچ کر رہ گئی

پھر معلوم ہوا کہ انھین دنون مین جو پال مین تلوار چلی تھی اکثر ایسے اتفاقات دیکھے گئے ہین۔

حضرت ذوق مرحوم ایک دن بادشاہ کی غزل لکھ رہے تھے مطلع ہوا کہ ؎

ابرو کے اسکی بات ذرا چلکے تھم گئی　　تلوار آج ماہ لقا چلکے تھم گئی ٭

دو تین شعر لکھ چکے تھے کہ خلیفہ اسمٰعیل دربار سے پھر کر آئے اونھون نے کہا کہ جب مین ہوا ئی شنکر کے چھتے کے پاس پہونچا تو کہاری باولی کے رخ پر دیکھا کہ دو تین آدمی کھڑے ہین اور آپس مین تکرار کر رہے ہین باتون باتون مین ایسی بگڑی کہ تلوار کھچگئی اور دو تین آدمی زخمی ہوے۔ حافظ ویران یہان پہلے سے بیٹھے ہوے غزل کے شعر سن رہے تھے مسکرا کر بولے کہ حضرت آپ کیا وہان موجود تھے آہستہ کہا کہ یہین بیٹھے بیٹھے سب کچھ ہو جاتا ہے حسن اتفاق۔

مولانا محمد حسین صاحب آزاد آب حیات مین تحریر فرماتے ہین کہ اُستاد ذوق مرحوم کا جس رات کے صبح ہوتے انتقال ہوا قریب شام مین بھی موجود تھا کہ اونھین پیشاب کی حاجت معلوم ہوئی خلیفہ صاحب نے اٹھایا چونکی بائینتی لگی ہوئی تھی۔ ہاتھ کا سہارا دیا اور اُنھون نے کھسک کر آگے بڑھنا چاہا طاقت نے یاری نہ دی تو کہا آہ ناتوانی خلیفہ صاحب نے فرمایا شاعرون ہی کا ضعف ہو گیا۔ حافظ ویران بھی بیٹھے تھے وہ بولے کہ آپ نے بھی ضعف کے بڑے بڑے مضمون باندھے ہین مسکرا کر فرمایا کہ اب تو کچھ اُس سے بھی زیادہ ہے پھر کہا سبحان اللہ اس عالم مین بھی مبالغہ قائم ہے خدا اس مبالغہ کے ساتھ توانائی دے۔ مین رخصت ہوا رات اُسی حالت سے گذری صبح ہوتے کہ ۲۴ صفر سنہ ۱۲۷۱ھ جمعرات کا دن تھا ۷ دن بیمار رہکر وفات پائی مرنے سے تین گھنٹے پہلے یہ شعر کہا تھا۔

کہتے ہین آج ذوق جہان سے گذر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

شعرائے ہند نے جسقدر تاریخین انکی کہین آجتک کسی بادشاہ یا صاحب کمال کو نصیب نہین ہوئین ۔

مرزا نوشہ غالب

جسقدر غالب کا نام بلند ہے اُس سے ہزار درجہ عالم معنی مین کلام بلند ہے بلکہ اکثر اشعار ایسے اعلیٰ درجہ رفعت پر واقع ہوے ہین کہ ہمارے نارسا ذہن وہان تک نہین پہونچ سکتے۔ جب ان شکایتون کے چرچے زیادہ ہوے اور اکثرون نے ان کے کلام کو مہمل قرار دیا تو اس ملک بے نیازی کے بادشاہ نے جو اقلیم سخن کا بھی بادشاہ تھا۔ اپنی غزل کے ایک شعر سے سب کو جواب دیدیا۔ آپ فرماتے ہین ؎

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا   نہ سہی گر مرے اشعار مین معنی نہ سہی

ایک رُباعی بھی انکی اسی زمانہ کی ہے وہ یہ ہے۔

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل   سُن سُن کے اسے سخنوران کامل ٭
آسان کہنے کی کرتے ہین فرمایش   گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل ٭

اہل ظرافت مرزا غالب سے اکثر نوک جھونک کیا کرتے تھے۔
ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ آپ مشاعرے مین تشریف لے گئے حکیم آغا جان عیش ایک خوش طبع شگفتہ مزاج شاعر تھے۔ غزل طرحی مین ایک قطعہ پڑھا جسکا اشارا مرزا صاحب کی طرف تھا۔ فرماتے ہین۔

قطعہ

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے   مزا کہنے کا جب ہے اک کہے اور دوسرا سمجھے
کلام میر سمجھے اور کلام میرزا سمجھے   مگر انکا کہا یہ آپ سمجھین یا خدا سمجھے

اسلیے اسکے اخیر عمر مین غالب نے وہ طریقہ بالکل ترک کر دیا۔ دیکھو بعض بعض غزلین کیسی صاف ہین۔

ایک مرتبہ مرزا نوشاہ غالب کو بہادر شاہ ظفر نے خاص اپنے کھانے کی بیسنی روٹی بھیجی آپ نے اوس کے شکریہ مین ایک قطعہ فی البدیہہ لکھ کر بادشاہ کی خدمت مین بھیجا ؎

نہ پوچھ اسکی حقیقت حضور والا نے | مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی
نہ کھاتے گیہون نکلتے نہ خلد سے باہر | جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی

نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خان غالب نے ۷۳ برس کی عمر مین اس جہان فانی سے انتقال کیا مرنے سے چند روز پیشتر یہ شعر کہا تھا اور اکثر یہی پڑھتے تھے ؎

دم واپسین بر سر راہ ہے | عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

مولوی فضل حق صاحب غالب کے بڑے دوست تھے ایک دن غالب انکی ملاقات کو گئے انکی عادت تھی کہ جب کوئی بے تکلف دوست آیا کرتے تو خالق باری کا یہ مصرعہ پڑھا کرتے ع

بیا برادر آو رے بھائی

چنانچہ مرزا صاحب کی تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوے اور یہی مصرعہ کہہ کر بٹھایا ابھی بیٹھے ہی تھے کہ مولوی صاحب کی رنڈی دوسرے دالان سے اٹھ کر پاس آن بیٹھی۔ مرزا صاحب نے فرمایا ہان صاحب اب وہ دوسرا مصرعہ بھی فرما دیجیے ع

بنشین مادر بیٹھ ری مائی۔

مولوی صاحب نہایت خفیف ہوے اُس دن سے یہ عادت چھوڑ دی۔

مرزا غالب کو ایک آفت ناگہانی کے سبب سے چند روز جیلخانے میں اس طرح رہنا پڑا کہ جیسے حضرت یوسف کو زندان مصر میں کپڑے میلے ہو گئے جوئیں پڑ گئی تھیں ایک دن بیٹھے کپڑوں سے جوئیں چن رہے تھے ایک رئیس وہیں عیادت کیلئے پہنچے۔ پوچھا مرزا صاحب کیا حال ہے آپ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر بصد یاس و حسرت یہ شعر پڑھا ؎

ہم غمزدہ جسدن سے گرفتار بلا ہیں ۔ کپڑوں میں جوئیں بخیوں کے ٹانکوں سے سوا ہیں

اور جسدن وہاں سے نکلنے لگے اور لباس تبدیل کرنے کا موقع آیا تو دہان کا کُرتہ وہیں پھاڑ کر پھینکا اور یہ شعر پڑھا ؎

ہائے اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جسکی قسمت میں ہو عاشق کا گریبان ہونا

ایک دفعہ میرزا غالب بہت قرضدار ہو گئے قرض خواہوں نے نالش کر دی جواب دہی میں طلب ہوئے مفتی صاحب کی عدالت تھی جسوقت پیشی میں گئے یہ شعر پڑھا ؎

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایک دن

مرزا جوان بخت بہادر شاہ ظفر کے بیٹے تھے۔ جب اُنکی شادی کا موقع آیا تو بڑی دھوم کے سامان ہوئے غالب نے سہرا لکھ کر حضور میں گذرانا جسکا مقطع یوں لکھا تھا ؎

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

مقطع کو سنکر بادشاہ کو خیال ہوا کہ اس مین ہم پر چشمک ہے۔ گویا اس کے معنی یہ ہوے کہ اس سہرے کے برابر کوئی سہرا کہنے والا نہین ہے۔ ہم نے جو شیخ ابراہیم ذوق کو استاد اور ملک الشعرا بنایا ہے یہ سخن فہمی سے بعید ہے۔ بلکہ طرفداری ہے۔ چنانچہ اسی دن ذوق مرحوم بادشاہ کے حضور مین جو گئے۔ تو بادشاہ نے وہ سہرا دیا کہ استاد اسے دیکھئے۔ انھون نے پڑھا اور بموجب عادت کے عرض کی پیر و مرشد درست۔ بادشاہ نے کہا کہ استاد تم بھی ایک سہرا کہدو۔ عرض کی بہت خوب۔ پھر فرمایا کہ ابھی لکھ دو اور ذرا مقطع پر بھی نظر رکھنا۔ ذوق مرحوم وہین بیٹھ گئے اور سہرا لکھا اخیر کا شعر مقطع کے جواب مین اسطور سے لکھا ؎

جسکو دعوی ہے سخن کا یہ سنا دے اسکو
دیکھ اسطرح سے کہتے ہین سخنور سہرا

ارباب نشاط حضور مین ملازم تھین۔ اسیوقت انھین ملا۔ شام تک شہر کی گلی گلی اور کوچہ کوچہ مین پھیل گیا۔ دوسرے دن اخبارون مین مشتہر ہو گیا۔ مرزا بھی بڑے ادا شناس اور سخن فہم تھے۔ سمجھے کہ تھا کچھ اور ہو گیا کچھ۔ اور یہ قطعہ حضور مین گذرانا۔

قطعہ در معذرت

منظور ہے گذارش احوال واقعی — اپنا بیان حسن طبیعت نہین مجھے
سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری — کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہین مجھے
آزادہ رو ہون اور مرا مسلک ہے صلح کل — ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہین مجھے

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہون — مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہین مجھے
اُستاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال — یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہین مجھے
جام جہان نما ہے شہنشاہ کا ضمیر — سوگند اور گواہ کی حاجت نہین مجھے
مین کون اور ریختہ ہان اس سے مدعا — جز انبساط خاطر حضرت نہین مجھے
سہرا لکھا گیا ز رہ امتثال امر — دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہین مجھے
مقطع مین آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات — مقصود اس سے قطع محبت نہین مجھے
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ — سودا نہین جنون نہین وحشت نہین مجھے
قسمت بُری سہی پہ طبیعت بُری نہین — ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہین مجھے
صادق ہون اپنے قول کا غالب خدا گواہ — کہتا ہون سچ کہ جھوٹ کی عادت نہین مجھے

مرزا غالب کو مرنے سے تین برس پہلے تاریخ فوت کا ایک مادہ ہاتھ آیا اسکو یون موزون فرمایا۔

من کہ باشم کہ جاودان باشم — چون نظیری نماند و طالب مُرد
ور بپرسند در کدامین سال — مُرد غالب بگو کہ غالب مُرد

اس حساب سے ۱۲۷۷ھ مین مرنا چاہیے تھا اسی سال شہر مین سخت وبا آئی ہزارون آدمی مر گئے میر مہدی صاحب کے جواب مین آپ تحریر فرماتے ہین۔ وبا کو کیا پوچھتے ہو قدر انداز قضا کے ترکش مین ایک یہی تیر باقی تھا۔ قتل ایسا عام۔ لوٹ ایسی سخت۔ کال ایسا پڑا وبا کیون نہو۔ لسان الغیب نے دس برس پہلے فرمایا ہے ع

ہو چکین غالب بلائین سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

میان ۱۲۷۷ھ کی بات غلط نہ تھی مگر مین نے وبائے عام مین مرنا اپنے لائق نہ سمجھا واقعی اس مین میری کسر شان تھی بعد رفع فساد ہوا اسکے سمجھ لیا جائیگا۔

مرزا غالب جسوقت کلکتے مین تشریف رکھتے تھے اِن کے بہت بڑے عنایت فرما مولوی کرم حسین صاحب جو وہان کے رئیسون مین تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے مولوی صاحب موصوف نے اپنے کفِ دست پر ایک چکنی ڈلی بے ریشہ رکھکر مرزا صاحب سے فرمائش کی کہ ہان اس پر کچھ تشبیہات نظم کیجیے آپ نے اوسیوقت یہ اشعار موزون کرکے پڑھے ؎

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جسقدر اچھا کہیے

خامہ انگشت بدندان کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بگریبان کہ اسے کیا کہیے

مہرِ مکتوبِ عزیزانِ گرامی لکھیے
حرزِ بازوے شگرفانِ خود آرا کہیے

مِسّی آلودہ سرِ انگشتِ حسینان لکھیے
داغِ طرفِ جگرِ عاشقِ شیدا کہیے

خاتمِ دستِ سلیمان کے مشابہ لکھیے
سرِ پستانِ پریزاد سے مانا کہیے

اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجے
خالِ مشکینِ رخِ دلکشِ لیلیٰ کہیے

حجر الاسودِ دیوارِ حرم کیجیے فرض
نافہ آہوے بیابانِ ختن کا کہیے

وضع مین اسکو اگر سمجھیے قافِ تریاق
رنگ مین سبزۂ نوخیزِ مسیحا کہیے

صومعے مین اسے ٹھہرائیے گر مہرِ نماز
میکدہ مین اسے خشتِ خمِ صہبا کہیے

کیون اسے قفلِ درِ گنجِ محبت لکھیے
کیون اسے نقطۂ پرکارِ تمنا کہیے

کیون اسے گوہرِ نایاب تصور کیجیے
کیون اسے نقشِ پئے ناقۂ سلمیٰ کہیے

بندہ پرور کے کفِ دست کو دل کیجیے فرض
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

جناب میر سوز و میر خلیق صاحب

میر سوز مرحوم نے علاوہ شاعری کے شعر خوانی کا ایسا طریقہ ایجاد کیا تھا کہ جس سے کلام کا لطف دوچند ہو جاتا تھا چنانچہ یہ قطعہ بھی ایک خاص موقع پر ہوا اور عجیب انداز سے پڑھا گیا

گئے گھر سے جو ہم اپنے سویرے
سلام اللہ خانصاحب کے ڈیرے

وہاں دیکھے کئی طفل پریرو
ارے رے رے ارے رے رے ارے رے

چوتھا مصرعہ پڑھتے پڑھتے وہیں زمین پر گر پڑے گویا پریزادوں کے دیکھتے ہی دل بے قابو ہو گیا اور ایسے بدحال ہوئے کہ ارے رے رے کہتے تھے غش کھا کر بیہوش ہو گئے۔

میر سوز مرحوم نے ایک مرتبہ ایک غزل میں ایک قطعہ اس طور سے سُنایا کہ سارے مشاعرے کے لوگ گھبرا کے اُٹھ کھڑے ہوئے قطعہ یہ تھا۔

اومارسیہ زلف تیج کھمسر
بتلا دے دل جہان چُھپا ہو

گنڈلی تلے دیکھیو نہ ہووے
کاٹا نہ ہتھی ترا بُرا ہو

پہلے مصرعہ میں ڈرتے ڈرتے جھک کر جھکے گویا گنڈلی تلے دیکھنے کو جھکے ہیں اور جس وقت کہا کاٹا نہ ہتھی کس نفرت ہاتھ کو چھاتی سے مسوڑ لے سے بےاختیار لوٹ گئے کہ لوگ گھبرا کر سنبھالنے کو کھڑے ہو گئے۔ (صحیح اُنکی ہی محاورے میں ہتھی کہتے ہیں) تمام شد

نواب مرزا تقی نے چاہا کہ فیض آباد میں بھی شعر و سخن کا چرچا ہو مشاعرہ قایم کیا اور خواجہ حیدر علی آتش کو لکھنؤ سے بلایا تجویز یہ تھی کہ انکے غزل پڑھنے کے بعد ہی جلسہ میں میر خلیق شاگرد مصحفی نے جو غزل پڑھی اوسکا مطلع یہ تھا ؂

رشک آئینہ ہے اُس رشک قمر کا پہلو
صاف ادھر سے نظر آتا ہے اودھر کا پہلو

آتش نے اپنی غزل پھاڑ ڈالی اور کہا جب ایسا شخص یہاں موجود ہے تو میری کیا ضرورت دیکھئے تو اُس زمانے کے لوگ کیسے منصف مزاج ہوا کرتے تھے۔

مومن خان صاحب مومن

جب مومن خان صاحب مومن پہلی مرتبہ دلی سے رامپور تشریف لائے آپ نے یہ شعر فرمایا۔

دلی سے رامپور میں لایا جنون کا شوق — ویرانہ چھوڑ آئے ہیں ویرانہ تر میں ہم

دوسری دفعہ سہسوان گئے وہاں فرماتے ہیں ؎

چھوڑ دلی کو سہسوان آیا + ہرزہ گردی میں مبتلا ہوں میں

مومن خان کی بلند پروازی و نازک دماغی بہت بڑھی ہوئی تھی ایک مرتبہ ایک شاگرد نے غزل میں یہ شعر لکھا ؎

ہجر میں کیونکر پھروں ہر سو نہ گھبرایا ہوا — وصل کی شب کا سماں آنکھوں میں ہے چھایا ہوا

خانصاحب نے پہلے مصرعہ کو یوں بدل دیا۔ ع

اسطرف کو دیکھتا بھی ہے تو شرمایا ہوا

اب ان جواہرات کے پرکھنے والے دیکھیں کہ شعر کہاں سے کہاں پہونچ گیا۔

شاہ محمد اسحاق جو ایک بزرگ ولی ہیں تھے جب آپ ہجرت کی مومن نے یہ قطعہ فی البدیہ کہا ؎

گفتم وحید عصر اسحاق — بر حکم شاہنشہ دو عالم
بگذاشتہ دار حرب امسال — جا کردہ بہ مکہ معظم

وحید عصر اسحاق کے اعداد ساتھ ملا دو اور دار حرب کے اعداد اسمیں سے تقسیم کرو تو سنہ ۱۲۵۶ھ تاریخ ہجرت نکلتی ہے۔

ایک شخص زین خان نامی حج کو جاتے تھے کسی وجہ سے راستہ ہی سے پلٹ آئے مومن خان نے کیا خوب تاریخ لکھی ہے ع

چون بیاید ہنوز خر باشد

شیخ امام بخش ناسخ

ایک دن شیخ ناسخ صاحب کسی سوداگر کی کوٹھی مین گئے سوداگر بچہ کہ دولت حُسن کا بھی سرمایہ دار تھا۔ عجب انداز معشوقانہ سے سامنے لیٹا ہوا تھا کچھ سوتا کچھ جاگتا تھا آپ نے دیکھ کر فرمایا۔ ع

ہے چشم نیم باز عجب خواب ناز ہے

یہ مصرعہ تو ہوگیا مگر دوسرا مصرعہ جیسا جی چاہتا تھا ویسا نہوتا تھا گھر آ کے اسی فکر مین غرق تھے کہ خواجہ وزیر وزیر آگئے اُنھون نے خاموشی کا سبب پوچھا شیخصاحب نے بیان فرمایا اتفاق سے کہ اُن کی طبیعت لڑگئی اور اس مصرع پر یون مصرعہ لگایا ؎

ہے چشم نیم باز عجب خواب ناز ہے
فتنہ تو سو رہا ہے در فتنہ باز ہے

شیخصاحب بہت خوش ہوے اُٹھ کر اپنے ذہین وطباع شاگرد کو گلے سے لگالیا۔

شیخ امام بخش ناسخ جسوقت الہ آباد مین تشریف رکھتے تھے ایک دن مشاعرہ تھا سب شعرا طرحی غزلین کہہ کر لاے شیخصاحب نے جو غزل پڑھی مطلع تھا ؎

دل اب محو ترسا ہوا چاہتا ہے
یہ کعبہ کلیسا ہوا چاہتا ہے

ایک لڑکے نے صف کے پیچھے سے سر نکالا بھولی بھالی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ مشاعرہ مین غزل پڑھتے ہوے ڈرتا ہے لوگون کی دلدہی نے اوسکی ہمت باندہی پہلا ہی مطلع تھا ؎

مطلع

دل اُس بُت پہ شیدا ہوا چاہتا ہی — خدا جانے اب کیا ہوا چاہتا ہے

محفل میں رسوم مجلسی شیخ ناسخ نے بھی تعریف کی اور کہا کہ بھائی یہ فیضان الٰہی ہے اس میں اُستادی کا زور نہیں چلتا تمھارا مطلع مطلع آفتاب ہے میں اپنا پہلا مصرعہ غزل سے نکال ڈالونگا اللہ رے منصف مزاجی۔

خواجہ وزیر وزیر کی شادی میں جسوقت شیخ ناسخ پہونچے اور اپنے پیارے شاگرد کو دولہ بنا ہوا دیکھا آپ نے فی البدیہ یہ مادہ تاریخ فرمایا۔ ع

شدہ نوشہ وزیر من امروز

خواجہ آتش نے جب ناسخ کی غزلوں پر غزلیں لکھنا شروع کین تو ناسخ نے یہ مطلع لکھا ؎

لکھ رہا ہی ایک جاہل میرے دیوانکا جواب — بو مسیلم نے لکھا تھا جیسے قرآنکا جواب

جسکے جواب میں آتش لکھتے ہیں۔

کیوں نہ دے ہر مومن اُس ملحد کے دیوان کا جواب

جسنے دیوان اپنا ٹھہرایا ہو قرآن کا جواب

ناسخ کا رنگ کالا تھا اکثر لوگ دُم کٹے بھینسے کی پھبتی کہا کرتے تھے رنگ و روغن کے اعتبار سے ایک مرتبہ آتش نے یہ مطلع لکھا ؎

مردِ سیہ دشمن کا یوں پاپوش سے بیجی بگڑ گا — جیسے سلہٹ کی سپر پر زخم ہو شمشیر کا

ناسخ نے نہایت منکسر مزاجی کے ساتھ اسکا جواب یوں لکھا ؎

میں گو کہ حسن میں ظاہر میں مثل ماہ نہیں — ہزار شکر کہ باطن میرا سیاہ نہیں

انکے شاگرد رشید گویانے بھی اسکے جواب مین ایک مطلع لکھا ؎

ہے یقین گل کا جو دیکھے گیسوے دلبر چراغ
آگے کالے کے بھلا روشن ہو کیونکر چراغ

اسکا جواب وزیر علی صبا آتش کے شاگرد نے پھر لکھا ؎

فروغ حسن پہ کب زور زلف چلتا ہے
یہ وہ چراغ ہے کالے کے آگے چلتا ہے

غرضکہ ان دونون صاحب کمالون مین اسی طرح چوٹین چلا کرتی تھین۔

شیخ امام بخش ناسخ ایک مشاعرہ مین ایسے وقت پہونچے کہ جلسہ ختم ہو چکا تھا۔ مگر خواجہ حیدر علی آتش وغیرہ چند شعرا ابھی موجود تھے یہ جاکر بیٹھے تعظیم رسمی و مزاج پرسی کے بعد کہا جناب خواجہ صاحب مشاعرہ ہو چکا انھون نے کہا کہ سب کو آپ کا اشتیاق رہا شیخ ناسخ صاحب نے فورًا یہ مطلع پڑھا ؎

جو خاص ہین وہ شریک گروہ عام نہین
شمار دانۂ تسبیح مین امام نہین

چونکہ نام بھی امام بخش تھا اس لیئے تمام اہل جلسہ نے نہایت تعریف کی۔ خواجہ صاحب کو اپنے ہمعصر کی اس دن پہ صبر نہ آیا۔ اور اس کے جواب مین فورًا ہی انھون نے یہ مطلع وہین موزون کر کے پڑھا ؎

یہ بزم وہ ہے کہ لا خیر کا مقام نہین
ہمارے گنجفہ مین بازئ غلام نہین

خواجہ وزیر وزیر بھی موجود تھے انھون اس کے جواب مین وہ مطلع پڑھا کہ ناسخ اچھل پڑے اور حقیقت یہ کہ بہت لاجواب مطلع لکھا ہے

لکھتے ہین کہ ؎

جو خاص بندے ہین وہ بندۂ عوام نہین
ہزار بار جو یوسف بکے غلام نہین

اس موقع پر ہمکو ایک شعر منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کا یاد آگیا اگرچہ اس قصے سے کوئی تعلق نہین ہے مگر جی نہین چاہتا کہ دوستون کو لطف سے محروم رکھون ؎

جو میکشی کی ہے ہو فرصت تو دو گھڑی کو چلو　　امیر مسجد جامع مین آج امام نہین

شیخ ناسخ ایک دن نواب نصیر الدین حیدر کے حضور مین حاضر تھے۔ حقہ سامنے تھا فرمایا کہ شیخ صاحب! اس پر کچھ کہیئے۔ اُنھون نے اسیوقت کہا ؎

حقہ جو ہے حضور معلی کے ہاتھ مین　　گویا کہ کہکشان ہے ثریا کے ہاتھ مین
ناسخ یہ سب بجا ہے ولیکن تو عرض کر　　بے جان بولتا ہے مسیحا کے ہاتھ مین

بعض احباب کہتے ہین کہ بظاہر الفاظ مین حقہ کہکشان ہے اور ممدوح ثریا مگر ایسے ممدوحون کو چاند۔ سورج بلکہ اعتبار قدر و منزلت فلک تک بھی کہہ دیا ہے۔ ثریا سے آج تک کسی نے تشبیہ نہین دی۔ شیخ ناسخ کلام کی گرمی و شوخی اور چستی ترکیب سے دست بردار ہوئے مگر اصول فنکو ہاتھ سے نہین جانے دیا اُن کی طرف یہ قطعہ منسوب کرنا چاند پر داغ لگانا ہے لیکن چونکہ فی البدیہہ کہا ہے اس لیئے اس قدر سخت گیری بھی جائز نہین۔

ایک غزل ناسخ کی جسکا مطلع ہے ؎

دل لیتی ہے وہ زلف سیہ فام ہمارا   بجھتا ہے چراغ آج سر شام ہمارا

ایک امیر شرفاے لکھنؤ میں سے تھے لوگ اُن کو مرزائی صاحب کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ شیخ صاحب کے بہت دوست تھے اونھوں نے ایک عمدہ فیروزہ پر آپ کا نام کھدوا کر انگوٹھی بنوا کر دیا اکثر پہنے رہتے تھے کبھی اُتار کر رکھ بھی دیتے وہ کسی نے چُرا لی یا کھو گئی اسپر آپ فرماتے ہیں ؎

ہم سا کوئی گم نام زمانے میں نہ ہو گا +
گم ہو وہ نگیں جس پہ کھُدے نام ہمارا

شیخ ناسخ کے زمانے میں ایک مشاعرے میں طرح یہی تقدیر پس پشت تصویر پس پشت - اس میں لکھنؤ کے بڑے بڑے شعراء وقت نے غزلیں پڑھیں ناسخ کے ہمراہ انکا غلام بھی مشاعرے میں گیا تھا۔ عین مشاعرے میں اس نے کہا کہ ایک شعر غلام نے بھی کہا ہے اجازت ہو تو پڑھوں اُن کچھ لوگوں نے تو اس کی اس حرکت کو دیوانہ پن کہا مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جن صاحبوں نے یہ فرمایا کہ نہیں نہیں کیا حرج ہے پڑھنے دیجیے غرضکہ بڑی دقت سے اس کو پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ جسوقت اس نے یہ شعر پڑھا ؎

زلفوں نے تو پائی رخ تاباں کی معافی   چوٹی کو ملی ہے تیرے جا گیر پس پشت

سارا مشاعرہ چونک پڑا اور منصف مزاجوں نے تو اپنی غزلیں پھاڑ ڈالیں اس شعر کی بےانتہا داد دی گویا مشاعرہ اسی کے ہاتھ رہا۔

خواجہ حیدر علی آتش

نواب معتمد الدولہ بہادر ناسخ مرحوم کے شاگرد تھے ان کے مشاعرے لکھنؤ میں بہت دھوم دھام سے ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جو مشاعرہ کیا تمام شہر میں مصرعہ طرح تقسیم کیا لیکن آتش کو ایک روز پیشتر مصرعہ طرح بھیجا۔ آپ نے فرمایا شاید معتمد الدولہ بہادر کو ہمارا امتحان منظور ہے جو طرح عین وقت پر بھیجی خیر ہوں تو ہم مشاعرے میں جاتے یا نہ جاتے اب ضرور جائینگے غزل کہی تلوار کمر سے لگائی۔ بانکے وار ٹوپی زیب سر کی شاگردوں کے جم غفیر سے مشاعرے میں تشریف لے گئے۔ دیکھا تو نواب موصوف نے نیا مکان جو تعمیر کرایا ہے اُسمین مشاعرہ کی صحبت گرم ہے۔ آپ نے مکان کو دیکھ کر فی البدیہہ یہ مطلع کہا۔ اور جب شمع سامنے آئی تو یوں گوہرفشان ہوئے

یہ قصر رشک مسیحا کا مکان ہے
زمین جسکی چہارم آسمان ہے

مطلع تھا برمحل۔ مشاعرے میں اک دھوم مچگئی احباب تو احباب دشمن کی زبان سے بھی واہ نکل گئی۔ نواب صاحب موصوف نے خلعت عطا فرما کر بڑی عزت سے رخصت کیا۔

ایک نواب صاحب کے یہاں مشاعرہ تھا وہ ناسخ کے معتقد تھے انھوں نے ارادہ کیا کہ شیخ صاحب غزل پڑھ چکیں تو اونھیں برسر مشاعرہ خلعت دیں یار لوگوں نے خواجہ آتش کے پاس مصرع طرح بھیجا اونھیں اسوقت مصرعہ پہونچا جب ایک دن مشاعرے میں باقی تھا خواجہ صاحب بہت خفا

ہوئے اور کہا کہ اب لکھنؤ رہنے کا مقام نہیں ہم نہ رہیں گے شاگرد جمع ہوئے اور کہا کہ آپ کچھ خیال نہ فرمائیں نیاز مند حاضر ہیں دو دو شعر کہیں گے تو صدہا شعر ہو جائیں گے وہ بہت تند مزاج تھے اون سے بھی ویسی ہی تقریر کی۔ آخر شہر کے باہر چلے گئے پھرتے پھرتے ایک مسجد میں جا بیٹھے وہاں سے غزل کہہ کر لائے اور مشاعرے میں گئے تو ایک قرابین بھی بھر کر لیتے گئے۔ بیٹھے ایسے موقع پر کہ عین مقابل شیخ صاحب کے تھے اول تو آپ کا انداز ہی بانکے سپاہیوں کا تھا اس پر قرابین بھری سامنے رکھی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ خود بھی بھرے بیٹھے ہیں۔ بار بار قرابین اٹھاتے تھے جب شمع سامنے آئی تو سنبھل کر ہو بیٹھے۔ اور شیخ صاحب کی طرف اشارہ کر کے پہلے یہ مطلع پڑھا ؎

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا ۔۔۔ کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

پھر یہ شعر پڑھا ؎

طبل و علم ہے پاس نہ اپنے نہ ملک و مال ۔۔۔ ہم سے خلاف ہو کے کریگا زمانہ کیا

مقطع ملاحظہ ہو ؎

گو رشک سے حسد کے نہ دے داد بھی ۔۔۔ آتش غزل یہ تو نے لکھی عاشقانہ کیا

غرضکہ ساری غزل میں کہیں ان کے لے پالک ہونے پر کہیں ذخیرہ دولت پر کہیں ان کے سامان امارت پر چوٹیں کیں تھیں شیخ صاحب بیچارے دم بخود تھے نواب صاحب ڈرے کہ خدا جانے یہ اوس پر قرابین خالی کریں یا میرے پیٹ میں آگ بھر دیں اسی وقت داروغہ کو اشارہ کیا کہ دوسرا خلعت خواجہ صاحب کے لیے تیار کرو۔ غرض دونوں صاحبوں کو برابر خلعت دے کر رخصت کیا

ایک مرتبہ میر وزیر علی صبا مرحوم نے۔ جلاد کبھی۔ بیداد کبھی۔ اس طرح مین غزل لکھی اور خواجہ آتش مرحوم سے اصلاح لینے آئے خواجہ صاحب کا عام قاعدہ اصلاح کا یہ تھا کہ شاگرد غزل پڑھتا جاتا تھا جو شعر بنانے کا ہوتا تھا بنا دیتے تھے اور جو شعر درست ہوتا "اسیر ہون" کہدیتے تھے اور جو شعر زیادہ پسند آتا اسکی داد بھی دیتے۔ صبا مرحوم غزل سُنا رہے تھے جب یہ شعر پڑھا ؎

فصل گل مین مجھے کہتا ہے کہ گلشن سے نکل
ایسی بے پر کی اڑاتا نہ تھا صیاد کبھی "

اسپر بھی حسب معمول خواجہ صاحب سنتے ہون" کہکر ٹالنا چاہا۔ مگر میر صاحب نے کہا حضرت مین نے یہ شعر خون جگر کھا کر کھا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ داد دیجیے۔ فرمایا پھر پڑھیے۔ جب انھون نے دوبارہ پڑھا۔ آپ نے کہا کہ پہلے مصرعہ کو یون بنا دیجیے ؎

پر کتر کر مجھے کہتا ہے کہ گلشن سے نکل
ایسی بے پر کی اُڑاتا نہ تھا صیاد کبھی

صبا کے مصرعہ اولیٰ مین بے پر کے اُڑانے کا کوئی ثبوت نہ تھا۔ اب ان دو لفظون کے بدل جانے سے شعر مین کس قدر حسن پیدا ہو گیا۔ اور بے پر کے اُڑانے کا ثبوت مل گیا۔ سبحان اللہ کیا اصلاح ہے

لکھنؤ کے ایک بڑے مشاعرے مین حسن اتفاق سے ناسخ و آتش مع اپنے شاگردون کے تشریف لائے تھے۔ میان مصحفی استاد آتش مرحوم سے بھی دعدہ تھا۔ مگر وہ ابھی مشاعرے مین نہ آئے تھے۔ مشاعرہ

شروع ہوا۔ اور ایک نومشق کم سن لڑکے نے ایک مطلع پڑھا وہ یہ تھا ؎

جس بیاباں سے میں کروں تقریر بول اُٹھے
مجھ میں کمال وہ ہے کہ تصویر بول اُٹھے

اس پر مشاعرے میں اک قیامت برپا ہوگئی اور ناسخ مرحوم نے کئی بار اس مطلع کو پڑھوایا۔ اور خلاف معمول بے حد داد دی اس لڑکے کے پڑھ لینے کے بعد مشاعرے میں میاں مصحفی بھی تشریف لائے۔ اہل بزم تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور صدر میں آپ کو جگہ دی۔ شیخ صاحب اپنے دل میں یہ عزم کر لیا کہ جب استاد مصحفی کی باری آئے تو میں ان کو نیچا دکھاؤں۔ چنانچہ جب سب کے آخر میں شمع گردش کرتی ہوئی ان کے سامنے آئی۔ ناسخ نے کہا استاد آپ کے تشریف لانے سے قبل (لڑکے کی طرف اشارہ کرکے) اس لڑکے نے ایسا آتشیں مطلع پڑھا جسکی تعریف میں زبان قاصر ہے۔ مصحفی نے کہا کہ ہاں میاں پڑھا ہوگا۔ کہا کہ میری خواہش ہے کہ آپ بھی سن لیں۔ یہ کہکر اشارہ کیا اور لڑکے ایک شاگرد نے شمع اٹھا کر اس لڑکے کے سامنے رکھ دی۔ اور شیخ صاحب نے لڑکے سے مخاطب ہوکر کہا کہ ہاں میاں اپنا مطلع ذرا استاد کو بھی سنا دو۔ لڑکے نے پھر وہی مطلع پڑھا آتش مرحوم اپنے استاد کے آگے سے شمع اٹھوا لینے پر آگ ہوگئے اور ناسخ سے مخاطب ہوکر کہا کہ کیا اک غلط مطلع کی اسقدر داد دیجاتی ہے۔ تصویر کا بیزباں ہونا غلط ہے اسیوقت اس مطلع پر اصلاح دی اور لڑکے سے مخاطب ہوکر کہا کہ میاں یوں پڑھو ؎

جس بیزباں کو میں کروں تقریر بول اُٹھے
مجھ میں کمال وہ ہے کہ تصویر بول اُٹھے

آتش کی جودت طبع پر میاں مصحفی مسکرائے۔ اور ناسخ کو سخت ندامت ہوئی۔

میان جرأت و فغان و مظہر جانجانان

میان جرأت کو نواب محبت خان کے مختار نے ایک دفعہ جاڑون مین سرمائی کپڑون کے دینے مین کچھ دیر کی آپ نے جھٹ یہ رباعی مختار صاحب کے سامنے پڑھی ؎

مختاری پہ آپ نہ کیجیے گا گھمنڈ | کہتے ہین جسے نوکری ہے بیج ارنڈ
سرمائی دلائیے ہماری ورنہ | تم کھاؤگے گالیان جو ہم کھائینگے ٹھنڈ

فوراً بیچارے نے سب کپڑے بنواکے آپ کے نذر کئے۔

میان جرأت سے **ظہور اللہ خان** نوا سے کسی معاملہ مین بگاڑ ہو گیا تھا جرأت نے انکی ہجو مین ایک ترجیع بند کہا اور حقیقت مین بہت خوب کہا جسکا ایک شعر ترجیع یہ ہے۔

ظہور حشر نہ ہو کیون جو کلچڑی کھچی | حضور بلبل بستان کرے نوا سنجی

خان موصوف نے بھی اسکے جواب مین بہت کچھ کہا چنانچہ انکے ترجیع بند کا یہی ایک شعر اس موقع پر لکھا جاتا ہے۔

رات کو کہنے لگا جرد کے منھ پر ہاتھ پھیر | قدرت حق سے لگی ہے ہاتھ اندھے کے بٹیر

نواب اشرف علی خان فغان بذلہ سنجی و لطیفہ گوئی مین یکتا ے زمانہ تھے۔ ایک دن راجہ صاحب کے دربار مین غزل پڑھی جسکا قافیہ تھا لالیان۔ اور جالیان۔ سب سخن فہمون نے بہت تعریف کی راجہ صاحب کی صحبت مین جگنو میان ایک مسخرہ تھے اون کی زبان سے نکلا نواب صاحب سب قافیے آپ نے باندھے مگر تالیان رہ گئین۔ انھون نے ٹال دیا اور کچھ جواب نہ دیا راجہ صاحب نے خود فرمایا کہ نواب سنتے ہو جگنو میان کیا کہتے ہین۔

اونھون نے کہا کہ مہاراج اس قافیہ کو مبتذل سمجھکر چھوڑدیا تھا اور حضور فرمائین تو اب بھی ہوسکتا ہے مہاراج نے کہا ہان کچھ کہنا تو چاہیئے ۔ اونھون نے اُسیوقت پڑھا ؎

جگنو میان کی دُم جو چمکتی ہے رات کو سب دیکھ دیکھ اُسکو بجاتے ہین تالیان

تمام دربار چمک اُٹھا اور میان جگنو بھسم ہوکر رہ گئے ۔

مرزا جانجانان مظہر کے پاس ایک لڑکا غزل لیکر آیا کہ شاگرد ہو اور اصلاح لے اُنھون نے کہا کہ اصلاح کے ہوش و حواس کسے ہین لڑکے نے کہا کہ مین فقط بطور تبرک سعادت حاصل کرنی چاہتا ہون فرمایا کہ اس وقت ایک شعر خیال مین آیا ہے اسی کو تبرک اور اسی کو اصلاح سمجھ لو ؎

لوگ کہتے ہین مر گیا مظہر
فی الحقیقت مین گھر گیا مظہر

حکیم قدرت اللہ خان قاسم اپنے تذکرہ مین لکھتے ہین کہ مرزا جانجانان مظہر اپنے کلام مین اکثر اشعار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مدح مین فرمایا کرتے تھے کسی سنی نے یہ حرکت کی ؎

نکرد مظہر ما طاعتے درفت بخاک نجات خود بہ تولای بوتراب گذاشت

غالباً اسی کے جواب مین مرزا صاحب کا یہ شعر ہے ؎

ہون تو سُنّی پر علی کا صادق دل سے ہون غلام
خواہ ایرانی کہو تم خواہ تورانی سمجھو

مرزا احسن رضا خان

مرزا احسن رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ شہر بنارس کے رئیس تھے عربی فارسی کے منتہی تھے شاعری سے بھی طبیعت کو مناسبت تھی اللہ کا دیا گھر میں سب کچھ تھا مگر آپ تارک الدنیا ہوگئے اور گھر سے علیحدہ ہوکر ۲؍ یومیہ کی مزدوری کرکے اپنی زندگی بسر کرنے لگے۔ حالانکہ اعزہ و احباب آپ کو بہت روکتے تھے اور سمجھاتے تھے مگر آپ نہ مانتے تھے۔ آپ کے ایک ہی لڑکا تھا جو حسن و صورت میں آپ ہی اپنا جواب تھا۔ اُس نے بھی براہ سعادتمندی بارہا اپنے باپ کو سمجھایا کہ یہ آپ کیا کرتے ہیں ہم غلامی کیلئے حاضر ہیں مکان پر تشریف لے چلیے جسکا جواب اونھوں نے یہ دیا کہ یہ مال و دولت تمکو مبارک ہو میرے لیے تم پریشان نہ ہو تمھیں میرے حال پر چھوڑ دو۔ اس غیرت دار نوجوان کو باپ کے اس کہنے کا کمال صدمہ ہوا اسی صدمہ سے وہ سخت بیمار پڑا۔ لوگوں نے مرزا صاحب سے کہا کہ آپ کا صاحبزادہ بیمار ہے۔ مگر یہ دیکھنے بھی نہ گئے یہاں تک کہ اسی غم میں اوس بیمار کا عین شباب میں خاتمہ ہوگیا۔ جسوقت لڑکے کے انتقال کا حال انھیں معلوم ہوا۔ الفت پدری جوش میں آئی اور آپ دوڑتے ہوے مکان پر آئے اُس نوجوان یوسف ثانی کی لاش پر جس گھڑی پہونچے چادر اٹھائی منھ دیکھا اور یہ شعر نہایت دردناک لہجے میں فرمایا ؎

بلبل تمام کیا ہو اموسم بہار کا
گل ہوگیا چراغ ہمارے مزار کا

تجہیز و تکفین میں شریک بھی نہ ہو سکے۔ بنارسیوں کو اُسدن سے انکا پتہ نہ چلا کہاں گئے

شیخ عبدالرحمن میاں ہُدہُد

ایک شخص عبدالرحمن نامی پورب کی طرف کے دلی میں آئے۔ حکیم آغا جان عیش جو بادشاہی وخاندانی طبیب تھے زیور علم ولباس کمال سے آراستہ۔ صاحب اخلاق۔ خوش مزاج۔ شیرین کلام۔ شگفتہ صورت طبیعت ایسی ظریف ولطیفہ سنج پائی تھی کہ جسے شاعری کی جان کہتے ہیں ان سے ملے میاں عبدالرحمن کو شُدبُد سے زیادہ مادہ نہ تھا حکیم صاحب نے ان سے پوچھا کہ آپ کچھ شعر کا بھی شوق رکھتے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ہاں ہو سکتا ہے کیا مشکل بات ہے۔ حکیم صاحب نے کہا کہ ایک جگہ مشاعرہ ہوتا ہے یہ طرح کا مصرع ہے آپ بھی غزل کہیے تو مشاعرہ میں لے چلیں وہ مشاعرے کو بھی نہ جانتے تھے غرض کہ حکیم صاحب کے کہنے سے آپ غزل کہہ کر لائے تو سبحان اللہ اور مولوی صاحب ہی تخلص رکھا۔ حکیم صاحب کی طبع ظریف کے مشغلہ کو ایک ایسا آنوال گیا۔ بہت تعریف کی غزل کو جابجا اصلاح دیکر خوب نمک مرچ ملایا۔ مولوی صاحب بہت خوش ہوئے حکیم صاحب نے کہا کہ شعرا کو تخلص بھی ایسا چاہیے۔ کہ ظریفانہ نہ لطیفانہ ہو اور لکھو شستہ ہو۔ اور شان وشکوہ کی عظمت سے تاجدار ہو۔ بہتر ہے کہ آپ ہُدہُد تخلص کریں۔ حضرت سلیمان کا رازدار تھا۔ اور قاصد معتبر تھا۔ مولوی صاحب نے بہت خوش ہو کر منظور کیا۔ مشاعرے کے دن جلسہ میں گئے جب ان کے سامنے شمع آئی تو حکیم صاحب نے کچھ فقرے ان کی تعریف میں مناسب وقت فرمائے سب متوجہ ہوئے انہوں نے غزل پڑھی تو تمسخر نے تالیاں بجائیں ظرافت نے ٹوپیاں اچھالیں اور قہقہوں نے اتنا شور کیا۔ مولانا

کہ کسی کی غزل پر اتنی تعریف کا شور نہ ہوا مولوی صاحب بہت خوش ہوے اب حکیم صاحب نے سوچا کہ ان کے گذارے کے لیئے کوئی نسخہ ضرور تجویز کرنا چاہیے ان سے کہا کہ بادشاہ کی تعریف مین ایک قصیدہ کہو تو تمھین ایکدن دربار مین لے چلین۔ دیکھو رزاق مطلق کیا سامان کرتا ہے قصیدہ تیار ہوا اور حکیم صاحب نے ہُدہُد کو اُڑا کر دربار مین پہونچا دیا۔ چند شعر اس قصیدہ کے تحفہ احباب ہین ؎

جو تیری بزم مین اپنی چونچ وا کر دون	تو رشک باغ ارم اپنا گھونسلا کر دون
جو آکے زیر کرے میرے آگے مہیقار	تو ایسے کان مروڑدون کہ بے سر کر دون
جو سرکشی کرے آگے میرے ہما آکر	تو اسکے نوچ کے پر شکل نیولا کر دون

ظفر تو شاعر تھے خطاب عطا فرمایا۔ طایر الاراکین۔ ہُدہُد الشعرا۔ منقار جنگ بہادر اور سات روپیہ ماہوار مقرر کر دے۔ انکی شاعری کی بنیاد قایم کر دی۔

ایک دفعہ میان ہُدہُد کی تنخواہ کو دیر ہوگئی آپ نے اپنے استاد حکیم آغا جان عیش سے شکایت کی جسطرح امراض شکم کے علاج تھے اُسیطرح بھوک کے تدارک کا بھی نسخہ تھا ایک قطعہ راجہ دیبی سنگھ کی مدح مین موزون ہوا کہ ان دنون تقسیم تنخواہ کا کام انھین کے سپرد تھا۔ میان ہُدہُد فرماتے ہین۔

جہانمین آج دیبی سنگھ تو راجہ بکار آمد ہو	خدا کا فضل ہے جو قلعہ مین نواب براجا ہی
سلیمان کی قسم تم ہین وہی رتبہ کی ترقی	تو سر افراز کا سہرا اور ہمارا جو بکارا جا ہی
شکم الجہار کو سیاری تنک لینے کیا لا لے	دفعتہ شرا بنا کے گیت گردون پہ بجا جا ہی
کہ کیکہ دینے لگے تنخواہ تو تنخواہ پہ اسکا	مگر تم مجھکو دیدے کیون (؟) ۔ ہُدہُد کا کہا جا کہ

[illegible] تا کہ راجہ دیبی سنگھ نے میان ہُدہُد کی تنخواہ فوراً دیدی۔

ملا دوپیازہ

ملا دوپیازہ جسوقت دہلی کی ایک مسجد مین امامت کرتے تھے آپ نے ایک مکتب قایم کیا تھا لڑکون کو فقہ حدیث و دیگر علم دینیات کی تعلیم دیا کرتے تھے ان کی ظرافت و بذلہ سنجی و حاضر جوابی تو بچپن ہی سے بے انتہا بڑہی ہوئی تھی اُنکے لڑکپن کی حالت یہ تھی کہ جسوقت آپ نے مولوی عبدالرحمن صاحب سے بسم اللہ شروع کی تھی اُنکے استاد بیچارے یک چشم تھے۔ جب اُستاد نے اِن سے کہا پڑھو الف خالی ب کے نیچے ایک نقطہ اور ت کے اوپر دو نقطے تو آپ پڑھتے ہین ب کے نیچے دو نقطے اور ت کے اوپر چار نقطے استاد نے کہا نامعقول مین ایک اور دو نقطے کہتا ہون تو دو اور چار کہان سے لایا ہونہار شاگرد نے جواب دیا کہ اجی استاد صاحب آپ تو ایک آنکھ سے دیکھکر ایک اور دو نقطے کہتے ہین۔ مجھے خدا نے دو آنکھین دی ہین اس لیے دو اور چار کہتا ہون اسی طرح کا ملا صاحب کا ایک شاگرد عبدالجبار نامی لطایف و شوخی و شرارت مین اُنکا بھی دلی نکلا طبیعت بھی کسی قدر موزون تھی ملا سے کہا استاد غزل کہنے کو جی چاہتا ہے کوئی مصرعہ طرح عنایت ہو تو طبع آزمائی کرون اونھون نے یہ مصرعہ دیا۔

مصرع

شاہان چہ عجب گر بنوازند گدا را

سعادتمند شاگرد نے مندرجہ ذیل اشعار لکھے

اشعار

استاد کو میدان مین آج ہمنے پچھاڑا
چھاتی پہ چڑھ کے کود کے داڑھی کو اکھاڑا

استاد کے مصرعہ پہ لگاتے ہین گرہ ہم
شاعر ہمین گردانیئے یا پیر بچارا

یہ طرفہ غزل ہمنے کہی مولوی صاحب
اصلاح سے دل کیجیے خورسند ہمارا

پہلی ہی غزل پر ہین ہوا داد کا خواہان
شاہان چہ عجب گر بنوازند گدارا

ملا صاحب یہ غزل سُن کر نہایت چین بجبین ہوئے بظاہر تو کچھ نہ کہا مگر دل مین کہتے تھے کہ واقعی جاے استاد خالی است۔ یہ تو اب ہمارے بھی کان کترنے لگا آخر غصے کو ضبط کیا اور فرمایا غزل تو بہت اچھی کہی ہے اصلاح کی کوئی ضرورت نہین مگر ایک شعر کی کمی ہے وہ ہم خود لکھے دیتے ہین چار شعر کی غزل مین یہ ایک شعر اور زیادہ کر دیا ؎

شعر

یہ طرفہ غزل الحمد پہ استاد کے آگے
صد لعنت و پھٹکار ہمین ذہن رسا را

شاہ نصیر مرحوم

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شاہ نصیر صاحب ایک میلے مین تشریف رکھتے تھے اور ان کے شاگرد بھی ہمراہ تھے کوئی رنڈی سامنے سے نکلی سر پر اودی رضائی تھی اور وسمہ کی چمک عجب لطف دکھاتی تھی ایک شاگرد نے فرمایش کی آپ نے فرمایا ؎

اودی وسمہ کی نہین تیری کی رضائی سر پہ — ہے جبین رات ہی تارون بھری چھائی سر پہ

ایک دفعہ کبھی بادشاہی گانون سرکش ہو گئے شاہ نظام الدین شاہ کہ شاہ جی کہ مشہور تھے اور دربار مین مختار تھے فوج لیکر گئے اور ناکام پھرے انکی مختاری مین بادشاہی نوکرون نے تنخواہ کی تکلیف پائی تھی اسپر بھی شاہ نصیر نے ایک نظم لکھی جسکا مطلع یہ تھا ؎

کیا پوچھتے ہو یارو بیٹھے تھے زہر کھا لے — شکر خدا کہ بارے پھر شاہ صاحب آئے

عیسیٰ خان اور موسیٰ خان دو بھائی دلی مین تھے مال و دولت کی بابت دونون مین جھگڑا ہوا عیسیٰ خان ناکام ہوئے موسیٰ خان نے کچھ عدالت کے زور سے کچھ حکمت عملی سے سارا مال مار لیا شاہ نصیر صاحب نے بطور ظرافت چند شعر کا قطعہ کہا ایک مصرعہ نذر ناظرین ہے کیونکہ وہی قطعہ کی جان ہے لطف یہ کہ دونون شاعر تخلص آفاق و شہرت تھے ؎

ہوئی آفاق مین شہرت کہ عیسیٰ خان کا گھر موسا

دلی مین ایک منشی ہندو تھے تجلی نام تھا ہر طوائف کی محبت مین مسلمان ہو گئے شاہ نصیر نے فرمایا ہے

جس طرف تو نے کیا ایک اشارہ تجلی — تجلی آہ تری چشم کا مارا نہ جیا

حضرت سلطان بہادر شاہ ظفر

بہادر شاہ ظفر کہ جن سے خاندان مغلیہ کا خاتمہ ہوا۔ بہت مشہور روایت ہے کہ جب انکو تخت شاہی سے اُتار کر لے جانے لگے ہیں۔ ہائے کیا بُرا وقت تھا بادشاہ پر ختنی کا ایوسانہ الم چھارہا تھا ہر در و دیوار کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے جاتے تھے صرف ایک سکوت تھا جو کسی صدمہ جانکاہ کی خبر دے رہا تھا محل سے نکلتے وقت بیساختہ آپ کی زبان مبارک سے نہایت دردناک لہجے میں یہ شعر نکلا ؎

بُلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھا لیا
اوسکی بلا سے بوم رہے یا ہما رہے

ہائے اس کے ایک ایک لفظ سے کیسی حسرت ٹپک رہی ہے۔ خدا دشمن کو بھی یہ وقت پھر نہ دکھائے۔

حضرت سلطان المشائخ

منقول ہے کہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین احمد بدایونی قدس سرہ العزیز رحلت فرمانے سے پہلے اکثر یہ مصرعہ باربار فرماتے تھے ع

میر و یم و میر و یم و میر و یم

سلطانُ عالم واجد علیشاہ اختر

یہ شعر حضرت واجد علی اشاہ اختر کا بہت مشہور ہے کہ جسوقت آپ نے لکھنؤ کو خیرباد کہا ہے چلتے وقت آپ کی زبان مبارک سے یہ شعر نہایت بایوسانہ لہجے مین نکلا تھا کہ جس کا ایک ایک لفظ اُس نازک وقت کی تصویر کھینچ رہا ہے کہ جب اپنے وطن سے جُدا ہو رہے تھے شعر یہ ہے ؂

شعر

در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہین
رخصت اے اہلِ وطن ہمتو سفر کرتے ہین

حضرت سلطان عالم واجد علیشاہ اختر کے نسبت روایت کہ مقام مٹیا برج مین جب آپ کا اخیر وقت تھا آپ تکلیف نزع سے کراہتے تھے اُس وقت کُل بیگمات محلات شاہی نے نکل کر آپ کے سر بالین آگئین تھین سبھون نے ہمزبان ہو کر کہا کہ حضرت شگون بد ہے آپ کراہین نہ ۔ اس تکلیف شدت نزع مین رنگینی مزاج و عاضر جوابی نہ گئی تھی بلیساختہ آپ کی زبان سے یہ شعر نکلا ؂

آہ کرنے سے تو سب لوگ خفا ہوتے ہین
اے نسیم سحری ہمتو ہوا ہوتے ہین

یہ کہا اور آپ کی روح قالب خاکی سے پرواز کر گئی ۔
انا للہ و انا الیہ راجعون ؕ

آفتاب الدولہ قلق

حضرت سلطان عالم **واجد علیشاہ** کے غسل صحت مین بڑے دھوم دھام کا جلسہ ایک مرتبہ ہوا شعراء وقت نے بڑے زور دار قصیدے لکھے حاضر ہی دربار مین منشی مظفر علی اسیر و خواجہ اسد اللہ قلق بھی موجود تھے ان لوگون نے بھی قصیدے پڑھے۔ بادشاہ نے حسب دستور قصیدون کو قبول فرما کر خلعت و زر سے ان لوگون کو مالا مال کر دیا اسوقت تک جناب قلق مرحوم کو کوئی خطاب سرکار سے نہین ملا تھا۔ یہ ہمیشہ اسی موقع کے منتظر رہا کرتے تھے بعد عطاء خلعت و زر کے اونھون نے بادشاہ سے دست بستہ عرض کی کہ ایک شعر بدیہی ہو گیا ہے۔ اگر اجازت ہو تو پڑھون۔ بادشاہ نے نہایت خندہ پیشانی سے انکو پڑھنے کی اجازت دی قلق مرحوم نے یہ شعر پڑھا ؎

خلعت و زر سے تو ہر طرح سنوارا جاؤن
ایسی محفل مین قلق کہہ کے پکارا جاؤن

اسیوقت اس منصف مزاج بادشاہ نے انکو آفتاب الدولہ کا خطاب عطا فرمایا۔

حضرت سلطان عالم **واجد علیشاہ** ایک دن شام کے وقت قیصر باغ مین ٹہل رہے تھے جلو مین جناب آفتاب الدولہ بہادر قلق بھی موجود تھے اتفاقیہ دوپٹا کا دامن چنبیلی کے درخت سے اٹک گیا زبان سے بیساختہ نکل گیا۔ ع

اے سیم بدن اپنا مین بھلا تجھکو مین کیا دون

قلق سے کہا اس مصرع پر مصرع تو لگاؤ۔ اونھون نے بھی فوراً یہ مصرع لگایا ؎

اے سیم بدن دل مین بھلا تجھکو مین کیا دون
شب ہا نیند سے تجھے سونے کا بتا دون

بادشاہ نہایت خوش ہوئے

جناب راسخ صاحب

راسخ عظیم آبادی نہایت اچھا کہتے تھے پُرانے مشاق تھے ادہر کے لوگ ان کو استاد مانتے تھے جب مرزا سودا اُنکے پاس شاگرد ہونے کو آئے آپ نے کہا کہ کوئی شعر سُنائیے اونھوں نے یہ شعر پڑھا ؎

ہوئے ہیں ہم ضعیف اب دیدنی رونا ہمارا ہے
پلک پر اپنے آنسو صبح پیری کا ستارا ہے

آپنے اُٹھکر گلے لگا لیا۔

جناب خواجہ وزیر صاحب وزیر

خواجہ وزیر[۱] مرحوم وزیر لکھنوی شاگرد رشید ناسخ کی نسبت بھی یہ سُنا جاتا ہے کہ عین حالت نزع میں جبکہ اعزہ و احباب کا مجمع تھا اونھوں نے اُس حالت میں مرنے سے ایک گھنٹہ پیشتر ایک شعر پڑھا تھا وہ بے نظیر شعر یہ ہے۔

شعر

بیمار محبت نے ابھی یاد کیا تھا
خوب آگئی اے موت تری عمر بڑی ہے

[۱] یہ واقعہ خواجہ صاحب مرحوم کے ایک شاگرد محمد تقی تقی سے راقم کو معلوم ہوا۔

پنڈت دیا شنکر نسیم

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کسی مشاعرے میں پنڈت دیا شنکر نسیم لکھنوی اور شیخ ناسخ مرحوم بھی موجود تھے۔ شیخ صاحب نے نسیم سے مخاطب ہو کر کہا کہ پنڈت جی ایک مصرع کہا ہے دوسرا مصرع نہیں ہوتا کہ پورا شعر ہو جائے۔ انھوں نے جواب دیا کہ فرمائیے۔ ناسخ نے مصرع پڑھا ع

شیخ نے مسجد بنا مسمار بتخانہ کیا

اُن کے منہ سے یہ مصرع نکلنے کی دیر تھی کہ یہاں دوسرا مصرع تیار تھا ع

تب تو اک صورت بھی تھی اب صاف ویرانہ کیا

اس مصرع کا سننا تھا کہ حاضرین جلسہ پھڑک اُٹھے۔ اور ہر طرف سے نعرہائے تحسین و آفرین بلند ہوئے۔

اسی طرح ایک مشاعرے میں ایک شخص نے ایک شعر پڑھا جسکا دوسرا مصرع یہ تھا۔ ع

جانب ظلمات ہرگز آفتاب آتا نہیں۔

پہلا مصرع کچھ پھسپھسا تھا نسیم کے منہ سے بیساختہ نکل گیا کہ دوسرا مصرع تو خوب ہے لیکن پہلا مصرع ٹھیک نہیں۔ وہ صاحب بھی کچھ سنکی تھے اُن کے کان تک یہ بات پہونچ گئی تھی کہ جھلا کر بول اُٹھے کہ اچھا آپ ہی اس سے بہتر مصرع کہہ دیجئے۔ نسیم نے اُسوقت دوسرا مصرع موزوں کرکے سنا دیا۔

شعر

تیرہ دل کی بزم مین جام شراب آتا نہین
جانب ظلمات ہرگز آفتاب آتا نہین

نسیم کی مشاعرہ مین ڈھاک بیٹھ گئی اور وہ بیچارہ ذلیل ہو گیا۔

ایک مشاعرہ مین نسیم لکھنوی نے یہ مطلع پڑھا ؎

منت ولا کسی کی نہ اصلا اٹھائیے
مر جائیے نہ ناز مسیحا اُٹھائیے

خواجہ آتش مرحوم بھی اس مشاعرے مین موجود تھے اپنے شاگرد کی بہت تعریف کی اور کہا کہ میرا مطلع اسکے آگے گرد ہے۔ اس موقع پر خواجہ صاحب کا بھی مطلع لکھے دیتا ہون ؎

جان بلب ہے عشق مین ایذا اُٹھائیے
بیمار ہو کے ناز مسیحا اُٹھائیے

ایک روز خواجہ آتش مرحوم کے ہان شاگردون کا جمگھٹا تھا۔ رند۔ صبا۔ خلیل۔ نسیم وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے صبح کا سہانا وقت برسات کا پیارا موسم۔ مینھ برس رہا تھا۔ عجیب کیفیت تھی۔ کالی کالی گھٹائین دیکھ کر کچھ ایسی طبیعتیں مست ہوئین کہ شاگردون نے آتش سے فرمایش کی کہ استاد اس وقت ایک غزل کہہ ڈالیے۔ گو کہ آتش کا دل بجھا ہوا تھا۔ لیکن طبیعت مین جوانی کا زور بھرا تھا فی البدیہہ یہ اشعار موزون کرنے شروع کردیئے اور کہا کہ لکھتے جاؤ جس غزل کا مطلع ہے جناب آتش فرماتے ہین ؎

مطلع

دہن پر ہین اُنکے گمان کیسے کیسے
کلام آتے ہین درمیان کیسے کیسے

وہ اسی موقع کی کہی ہوئی ہے۔ نسیم کی طبیعت بھی جوش بہار سے لہرائی ہوئی تھی۔ اُنھون نے اشعار ون کی تخمیس کرنی شروع کر دی۔ جتنی دیر مین خواجہ صاحب دوسرا شعر سوچتے تھے یہ اُن کے پہلے شعر پر تین مصرعے لگا سکتے تھے۔ اور بعض بعض مصرعے تو واقعی اس انداز سے لگائے ہین کہ اگر کوئی برسون فکر مین سر بگریبان رہے تو اس سے بہتر مصرعہ نہین لگا سکتا۔ آتش مرحوم کے دو شعرون کی تخمیس تمثیلاً لکھی جاتی ہے ؎

نہ خونی کفن ہین نہ گھایل ہوئے ہین
نہ زخمی بدن ہین نہ بسمل ہوئے ہین
لہو کے کشتون مین داخل ہوئے ہین
تمھارے شہیدون مین شامل ہوئے ہین
گل و لالہ و ارغوان کیسے کیسے

کوئی جانتا ہی کسی کو خبر ہے
کہ پردہ مین کون اے صنم جلوہ گر ہے
کہین کچھ خیال اور کہین کچھ نظر ہے
دل و دیدۂ اہل عالم مین گھر ہے
تمھارے لیے ہین مکان کیسے کیسے

نسیم اصفہانی نے مرنے کے دو تین گھنٹے پیشتر یہ شعر کہا تھا ؎

پہونچی نہ راحت ہم سے کسی کو بلکہ اذیت کوش ہوئے
جان پہ بنی جب بار ستم تھے مر کے وبال دوش ہوئے

سید محمد خانصاحب رند

جس زمانہ مین نواب سید محمد خان رند کا کمال سخن لکھنؤ مین شہرت عام پاچکا تھا۔ اور واہ وا اور سبحان اللہ کے نعرون سے اسکے ہر شعر اور ہر مصرعون کا استقبال کیا جاتا تھا اونھون نے ایک غزل لکھی جسکا مطلع ہے ؎

پھر لہو سُرخ ہوا جسم مین کالا ہوکر
رہ گیا اب کی برس پھر مجھے سودا ہوکر

اور اس غزل مین ایک شعر یہ لکھا ؎

اگر ہی کا ہی گمان شک ہی ملاگیری کا
رنگ لایا ہی دوپٹا ترا میلا ہوکر

فخریہ استاد کے پاس غزل لیگئے اور عرض کیا کہ اس بین مین دو میلا کا قافیہ دشوار ہی جیسا اس نیازمند نے باندھا اس سے بہتر ممکن نہین۔ آتش بھی زمانہ دیکھے ہوے تھا اور اپنے استاد مصحفی سے دو کفن بگڑا ،، دو وہن بگڑا ،، کے معرکہ جسکو ہم پچھلے صفحون مین لکھ آے ہین ایسی ہی حجت کرچکا تھا سمجھ گیا کہ حوصلہ مند شاگرد کے دل مین اب کچھ ولولہ اُستادی پیدا ہو چلا ہے اس لیئے اسوقت تو چُپ ہو رہا۔ مگر بعد کو دوسرے عزیز شاگرد کی غزل مین وہی قافیہ یون باندھا۔ فرماتے ہین

شعر

بلبل کشتہ کو صیاد کفن کیا دیتا
پیرہن گل کا نہ اُترا ابھی میلا ہوکر

اولوالعزم شاگرد کے شیشہ دل پر چوٹ تو ضرور لگی مگر یہ اوس کی سعادتمندی تھی کہ نہ اس صدمہ کو زبان پر لایا اور نہ آتش کی سنت ادا کرنے کے لیئے اپنے اُستاد سے بگڑ کر خود کوس اُستادی بجانے لگا۔

میر ببر علی صاحب انیس

جسطور سے میاں مصحفی و انشا میں چوٹیں چلا کرتی تھیں اوسیطور سے مرزا دبیر و میر انیس صاحب کی حالت تھی ان سے اور اون سے تو ظاہرا اسقدر عداوت و دشمنی تھی کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے لکھنؤ میں دو فریق انیسی و دبیری مشہور تھے۔ مگر جب میر انیس صاحب کا اخیر وقت ہوا کسی نے مرزا صاحب سے بھی کہا کہ اب میر صاحب کی اُمید زیست نہیں معلوم ہوتی۔ حالت سنتے ہیں کہ بہت غیر ہو گئی اوس نے تو مرزا صاحب کے خوش ہونے کو یہ جملہ کہا تھا مگر آپ کو کمال صدمہ ہوا اور فورًا میر صاحب کے دولت کدے پر عیادت کے لئے تشریف لائے اور یہاں میر صاحب دو ہی چار گھڑی کے اور مہمان تھے۔ جب مرزا صاحب پہونچے انہوں نے حال دریافت فرمایا اور پوچھا کہ مزاج کیسا ہے اسوقت میر صاحب نے ایک آہ سرد بھری اور یہ شعر فرمایا ؎

آخر ہے عمر زیست سے دل اپنا سیر ہے
پیمانہ بھر چکا ہے چھلکنے کی دیر ہے

مرزا صاحب کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اُسی شب کو آپ کی روح نے قالب خاکی سے پرواز کیا۔ میر صاحب کے بعد پھر مرزا صاحب نے مرثیہ گوئی بالکل ترک کردی۔

میر انیس مرحوم ایک مرتبہ مرثیہ میں وہ روایت نظم کرتے تھے کہ جناب امام عالی مقام عالم طفولیت میں سواری کے لئے ضد کرتے تھے

کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف لائے اور فرطِ محبت سے ارشاد فرمایا کہ کیون غمگین ہوتے ہو ہم تو تمھارے اونٹ بننے کے لئے موجود ہین اس موقع پر ٹیپ کا مصرعہ مصرعۂ ثانی کہہ چکے تھے۔

اچھا سوار ہوجیئے ہم اونٹ بنتے ہین

مصرعۂ اولی کی تلاش تھی جیسا جی چاہتا تھا برجستہ نہ ہوتا تھا ان کے والد میر خلیق مرحوم بھی گھر مین تشریف رکھتے تھے ان کو غور و فکر مین دیکھ کر پوچھا کہ کیا سوچ رہے ہو۔ انھون نے مضمون بیان کیا اور جو مصرع خیال مین آئے تھے پڑھے فرمایا کہ مصرعہ لگا دو ذرا زبان کی لطافت دیکھو ؎

جب آپ روٹھتے ہین تو مشکل سے منتے ہین
اچھا سوار ہوجیئے ہم اونٹ بنتے ہین

انھون نے قلم اٹھا کر فورًا لکھ لیا اور جھک کر تسلیم کی۔

میر انیس مرحوم کی نسبت یہ روایت لکھنؤ مین بہت مشہور ہے۔ کہ ایک مرتبہ ایک مرثیہ مین شیرین کی زبانی یہ دعائیہ مصرعہ کہہ چکے تھے

یارب رسول پاک کی کھیتی ہری رہے

دوسرے مصرعہ کی فکر مین تھے۔ جیسا جی چاہتا تھا ویسا برجستہ مصرعہ نہ ہوتا تھا۔ اسی اثنا مین میر نفیس مرحوم کی والدہ یعنی (میر صاحب کی بیوی) وہان تشریف لائین اور میر صاحب کو فکر مین دیکھ کر پوچھا کہ کیا سوچ رہے ہو آپ نے یہ مصرعہ پڑھا کہ اسکے دوسرے مصرعہ کی فکر مین دیر سے ہون۔ یہ سنا تھا کہ ان کی زبان سے بیساختہ نکل گیا کہ یہ مصرعہ لگا دیجئے

میر نفیس مرحوم کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں ؎

صندل سے مانگ بچون سے گودی بھری رہے

میر صاحب نے یہ مصرعہ فوراً لکھ لیا اور اب یہ شعر

یا رب رسول پاک کی کھیتی ہری رہے

صندل سے مانگ بچون سے گودی بھری رہے

زبان کی لطافت اور محاورے سے مالا مال ہو گیا۔

میر انیس کے زمانے مین کچھ اور بھی مرثیہ گو شاعر ایسے تھے کہ ان کے مقابلے مین مرثیہ کہتے تھے اور چوٹین کرتے تھے انھین بزرگوارون مین سے ایک صاحب میر محب علی صاحب سلیس اکبرآباد مین مدرس تھے۔ جو علم کے ساتھ زبان وطبیعت بھی سلیس و سلیم رکھتے تھے۔ اُن کو خیال تھا کہ میر انیس کا مین مد مقابل ہون۔ میر انیس نے۔ جو ان کر دیا۔ نہان کر دیا۔ اس طرح مین ایک سلام لکھا جسکا مقطع یہ تھا ؎

لو اسنجیون نے تری اے انیس

ہر اک زاغ کو خوش بیان کر دیا

جب جناب سلیس اکبرآبادی کے پاس یہ سلام پہونچا تو انھون نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ مین اکثر چوٹین کیا کرتا ہون یہ چوٹ میر صاحب نے مجھپر کی۔ اس مقطع کی تضمین کی اور ڈاک کے ذریعہ سے میر صاحب کے پاس لکھ کر بھیجدیا وہ مصرع یہ تھے۔ جناب میر محب علی صاحب فرماتے ہیں ؎

تضمین

نہ مونس کی باتین تھین ایسی نفیس — نہ تھی اُنس کی نظم اتنی سلیس
یہ سچ ہے بقول انیسؔ لے سلیس — لو اسنچیون نے ترقی سے انیس
ہر اک زاغ کو خوش بیان کر دیا

جب میر صاحب کو یہ نسخہ پہونچا ایک نظر دیکھ کر چپ ہو گئے وہ کوہ علم و وقار ایسی ایسی باتون کی کب پروا کرتے تھے۔

ایک شاہی مجلس مین مرزا دبیر و میر انیس مرحوم دونون فلک مرثیہ گوئی کے آفتاب و ماہتاب مدعو تھے۔ حضرت سلطان عالم واجد علیشاہ کا زمانہ تھا۔ پہلے مرزا صاحب کو پڑھنے کا حکم ہوا یہ ممبر پر تشریف لے گئے۔ اور اُنھون نے بیٹھتے ہی ایک رباعی بادشاہ کی تعریف مین پڑھی جسکو سامعین نے بڑی دلچسپی سے سُنا اور واہ وا اور سبحان اللہ کی آوازون سے عالیشان کمرہ گونجنے لگا تمام مجلس بھی ہوا۔ ان کے بعد میر انیس کو پڑھنے کا ارشاد ہوا۔ میر صاحب کچھ لیکر نہ گئے تھے۔ میر مونس سے پوچھا کچھ لائے ہو اُنھون نے ایک سلام اور مرثیہ پیش کیا اوسکو دیکھا اور فی البدیہہ ایک مطلع تصنیف کیا اور ممبر پر تشریف لے گئے میر مونس کا سلام اُس وقت کے مشاعرہ کی طرح پر تھا جسکا ردیف و قافیہ ہے۔
گلستان ہو کر۔ بیابان ہو کر۔

ممبر پر جا کر اپنی عادت کے موافق تھوڑی دیر چپ بیٹھے رہے جب تمام مجلس اُنکی جانب متوجہ ہوئی تو جناب امیر علیہ السلام کی

مدح مین ایک رُباعی پڑھی چارون طرف سے آفرین و مرحبا کا شور بلند ہوا۔ از ان بعد سلام شروع کیا جس کا وہ سے فی البدیہ مطلع یہ ہے ؎

مطلع سلام

غیر کی مدح کرون شہ کا ثناخوان ہو کر
مجرئی اپنی ہوا کھوؤن سلیمان ہو کر

اس مطلع کا سننا تھا کہ سننے فہم طبیعتین اداے کلام کے مزے لینے لگین اور میر انیس کے اندازِ بیان نے اہل مجلس کو محو کر دیا۔ اور رزم بزم دونون کا حق ادا کر کے ممبر سے اُترے۔

ایک مرتبہ آپ کے معاصرین مین کچھ چشمکین پیدا ہوگئین جناب میر صاحب نے ایک رباعی ارشاد فرمائی وہ رباعی یہ ہے ملاحظہ ہو ؎

رُباعی

ہمسے کوئی اہل کبر دعویٰ تو کرے ہر عیب ہے آپ کو مبرا تو کرے
کیا فاختہ جھینکی بھلا بلبل سے پہلے صاف اپنا روز مرّہ تو کرے

مرزا سلامت علیصاحب دبیر

مرزا دبیر کا عالم جوانی تھا اور شاعری کی بھی جوانی تھی جسوقت یہ مرثیہ لکھا

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

بڑی شہرت ہوئی۔ نمود اور تمہید سے چہرہ باندھا رزمیہ اور بزمیہ مضامین پر زور طبع دکھایا تازہ ایجاد یہ کی۔ کہ لشکر شام سے ایک بہادر پہلوان تیار کرکے میدان مین لائے اُسکی ہیبت ناک بدصورت آمد کی آن بان اسکے اسلحہ جنگ اور انکے خلاف قیاس مقادیر و وزن سے طوفان باندھے۔ اسمین علاوہ معمولی سامعین کے سخن فہم و اہل کمال اشخاص کو خاص طور پر بھی اطلاع دیگئی۔ روز معہود پر ہجوم خاص و عام ہوا۔ طلب کی تحریکیں اس اسلوب سے ہوئین تھین کہ خواجہ آتش باوجود پیرانہ سالی و آزادی کے تشریف لائے۔ مرزا صاحب ممبر پر تشریف لیگئے مرثیہ شروع ہوا سب لوگ بموجب عادت کے تعریفون کے غل مچاتے رہے گریہ و بکا بھی خوب ہوئے۔ خواجہ صاحب خاموش سر جھکائے دوزانو بیٹھے جھومتے رہے۔ مرزا صاحب مرثیہ پڑھکر ممبر سے اُترے جب دونون کے ہوش ٹھیک ہوئے تو خواجہ صاحب کے پاس جا بیٹھے۔ اور کہا حضرت! جو کچھ مین نے عرض کیا آپ نے سُنا۔ فرمایا ہون بھئی سُنا انھین اتنی بات پر قناعت کب تھی پھر کہا کہ آپ کے سامنے پڑھنا تو گستاخی ہے لیکن آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ انھون نے فرمایا بھئی سُنا تو سہی مگر سوچتا ہون کہ یہ مرثیہ تھا یا لندھور بن سعدان کی داستان (واہ رے اُستاد کامل اتنے سے فقرہ مین عمر بھر کے لیے اصلاح دیگئی۔)

لندھور بن سعدان کی خلاف عقل طاقتین اور فوق العادت اور گاؤزوریان امیر حمزہ کے قصہ کی شان و شکوہ اس طرح بڑھاتے ہین کہ رستم و اسفندیار شاہنامہ کے صفحو مین منھ چھپا لیتے ہین۔

تمام شد

مالک الدولہ صولت وجناب برق

مالک الدولہ صولت مرحوم کو تاریخ گوئی مین خاص ملکہ تھا۔ اپنے مرنے کی تاریخ خود لکھی ہے جسمین اپنے خاتمۂ نسل پر اظہار تاسف کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

بعد ہمارے نہین باقی نشان   نام ہوا جد و پدر کا تباہ
مرض الموت مین صولت لکھے   خاتمۂ نسل ہوا حیف آہ

مالک الدولہ صولت برق کے بھتیجے تھے برق ناسخ کے شاگرد رشید تھے صولت نے تاریخ کے علاوہ ایک دعائیہ رباعی بھی مرض الموت مین کہہ کر جہان پناہ کے ملاحظہ کو بھیجی تھی وہ یہ ہے ؎

یارب یہ بادشاہ ہو کشور کا   اقبال ہو دارا کا حشم قیصر کا
تا قایم دہر مین رہے اسکا دور   یون اوج گردن ستارہ ہو اختر کا

اور وقت آخر بادشاہ کو اس طرح وداع کیا ؎

اختر تجھے صولت نے دم جانبازی
اللہ و پیمبر کی حفاظت مین دیا

ان کے چچا فتح الدولہ بہادر برق استاد جلال مرحوم نے بھی وقت آخر بادشاہ کو ایک مطلع لکھکر بھیجا تھا ؎

برق جو منہ سے کہا تھا وہی کرکے اٹھے
جان دی آپ کے دروازے سے مر کے اٹھے

مولانا علی حیدر طباطبائی نظم ایک مضمون مین لکھتے ہین حقیقت امر یہ ہے کہ اس خاندان کے لوگون کو بادشاہ کے ساتھ اور بادشاہ کو اس خاندان سے خاص محبت تھی۔

حضرت امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ

سنہ ۱۹۰۰ع مین جب حضور نظام بغرض سیر و تفریح بنارس تشریف لائے تھے اوس وقت جناب منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی لکھنوی مرحوم نے ایک جلیل قصیدہ لکھ کر حضور کی خدمت مین پیش کیا تھا۔ اور امیر اللغات جس کو ان کا سرمایہ عمر کہنا چاہیئے اوس کو بھی نذر کیا۔ حضور نظام نے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ پسند فرمایا۔ اور متانت شاہانہ کے ساتھ ان کی نازک خیالی اور قادر الکلامی کی داد دے کر فرمایا کہ اگر مولانا آپ حیدرآباد تشریف لائے تو مجھ کو کمال خوشی ہوگی اوس کے تھوڑے دن کے بعد آپ نے رامپور سے حیدرآباد کا عزم کیا چلتے وقت جو نعتیہ غزل آپ نے لکھی تھی اوس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ خاندانی ورثہ بھی آپ کے حصے مین آیا تھا یہ تو سب صاحبون کو معلوم ہے کہ آپ ایک نہایت بزرگ حضرت مخدوم شاہ مینا صاحب کے خاندان سے تھے اوس غزل کے چند شعر اس موقع پر نذر ناظرین ہین ملاحظہ ہون۔

اشعار

اب کہان جاؤن خبر دی مرے حامی نے مجھکو ۔۔۔ کہ مدینے مین بلایا ہے نبی نے مجھکو
ہے یقین روز ازل بھیج دیا آ کے جبریل امین ۔۔۔ سب بتا دین گے زیارت کے قرینے مجھکو

اب نہ ٹھہرون جنونِ خوشامد بھی کرے میری طلب · کہ پکارا ہی غریب الوطنی نے مجھکو

اخیر کے مصرعہ سے آپ کا مادہ تاریخ وفات بھی نکلتا ہے -

غرضکہ آپ رامپور سے چل کر حیدرآباد پہونچے - حضرت داغ مرحوم آپکے پرانے دوست تھے مدتون رامپور مین ساتھ رہا - اِن کو حضرت امیر کے آنے سے نہایت خوشی تھی خود سامان دعوت وتیاری مکان مین ہمہ تن مصروف تھے - غرض منشی صاحب موصوف حیدرآباد پہونچے مگر جاتے ہی مرض الموت نے دامن آپ کا دامن لیا - جہانتک ممکن تھا بہت علاج کیا گیا مگر افسوس موت نے نہ چھوڑا - جسوقت روح نے قالب خاکی سے پرواز کیا جس مکان مین آپ مقیم تھے تمام گھر خوشبو سے معطر تھا جب حضرت داغ کو معلوم ہوا - کلیجا تھام کر رہ گئے اسوقت اُن کی زبان سے بیساختہ یہ شعر نکلا ؎

خاک اس سے عشق نے چھنوائی رکھی ؛

دشت مین مجنون کی مٹی لائی رکھی ؛

بندۂ آثم نے بھی مصرعہ تاریخ یہ لکھا تھا -

ہی ہی جہان سی آج خدائی سخن اٹھا

حضرت جلال مرحوم لکھنوی

ایک مرتبہ رام پور کے مشاعرے مین فصیح الملک حضرت داغ مرحوم نے یہ مطلع پڑھا ؂

یہ تری چشم فسونگر مین کمال اچھا ہے
ایک کا حال برا ایک کا حال اچھا ہے

مشاعرے مین بہت داد دی گئی مگر جلال مرحوم نے تعریف کرنے مین کمی کی اور جب ان کی باری آئی تو ذیل کا شعر پڑھا جس کی بے حد تعریف ہوئی جلال مرحوم فرماتے ہین ؂

دل مرا آنکھ تری دونون ہین بیمار مگر
ایک کا حال برا ایک کا حال اچھا ہے

اب اہل نظر خود دیکھ بھال لینگے کہ کسنے مصرعہ اچھا لگایا۔ اسمین شک نہین کہ جلال مرحوم نے فطرتاً سلجھی ہوئی بیحد صاف طبیعت پائی تھی۔

جلال مرحوم نے ایک مرتبہ رام پور کے مشاعرے مین ایک شعر پڑھا مولانا عبدالحق مرحوم منطقی خیر آبادی کو وجد آگیا جھوم اُٹھے۔ اور بے اختیار آنسو آنکھون سے جاری ہو گئے۔ فرمایا ہے ؂

حشر مین چھپ نہ سکا حسرت دیدار کا راز
آنکھ کم بخت سے پہچان گئے تم مجھکو

سبحان اللہ کیا با اثر شعر ہے۔ کس مزے کی بلاغت ہے۔ راز حسرت دیدار چھپانے کی انتہائی حد دکھائی ہے۔ عمر بھر حسرت چھپائی وقت مرگ بھی افشائے راز نہ ہونے دیا۔ لیکن مقام حشر جو آخری دیدار کی جگہ ہے

وہاں حسرت دیدار کا راز کسی طرح چھپائے نہ چھپ سکا - ہائے!

آنکھ کم بخت سے پہچان گئے تم مجھکو

نواب میر جعفر حسین صاحب فاخر کے ہاں مشاعرہ تھا ؎

فاخر ا ہمارے گھر پہ وہ آکر پلٹ گئے۔

مصرعہ طرح تھا۔ استادوں نے زور دیکر غزلیں کہیں تھیں۔ لیکن جلال مرحوم کا ایک شعر مشاعرے بھر سے علیحدہ رہا بیحد تعریف ہوئی۔ شعر یہ تھا ؎

لو امتحان تم میرے نالوں کا شوق سے

کیوں ڈر کے آسمان کے نیچے سے ہٹ گئے

مرحوم کو بندش کی صفائی میں کوشش کرنے کی زیادہ ضرورت نہیں پڑتی تھی بلکہ صفائی خود ہی بندش مضامین کے ساتھ ساتھ ہوتی تھی ایک قیامت کرنے والا مطلع کہا ہے جو عمر بھر ہمارے دلوں سے فراموش نہیں ہو سکتا۔ ملاحظہ ہو ؎

یہ کہہ کر کروٹیں شب کو ترے ناکام لیتے تھے

وہ دل کیا ہو گیا رہ رہ کے جسکو تھام لیتے تھے

آپ کی بااثر شاعری سے ہر دل اثر پذیر ہو سکتا ہے۔
اس انداز بیان کا کیا کہنا۔

عبداللہ خانصاحب اوج

راجہ جیت سنگھ برادر راجہ کرم سنگھ رئیس پٹیالہ جو دہلی مین رہتے تھے انکی سخاوتین شہر مین مشہور تھین وہ ایک دن مصاحبون کے ساتھ سرراہ کوٹھی پر بیٹھے تھے اتفاقیہ مومن خان کا اودھر سے گذر ہوا لوگون نے کہا مومن خانصاحب شاعر یہی ہین راجہ صاحب نے آدمی بھیجکر بلوایا عزت و تعظیم سے بٹھایا کچھ نجوم کچھ شعر و سخن کی باتین کین) اور حکم دیا کہ ہتنی کسکر لاؤ ہتنی حاضر ہوئی وہ خانصاحب کو عنایت ہوئی اونھون نے کہا کہ مہاراج مین غریب آدمی ہون اسے کہان سے کھلاونگا اور کیونکر رکھونگا۔ کہا سو روپیہ اور دو خانصاحب اسی پر سوار ہوکر آئے پہلے اس ہتنی کے روپیہ کھائے پھر اوسے بیچ کر فیصلہ کیا۔ اسی موقع پر عبداللہ خانصاحب اوج کہ نہایت ظریف اور منہ پھٹ تھے کہتے ہین ؎

جنھوننے ہین وہ مومن مکان لیتا ہے
نجومی ہین کہ جو ہتنی کا دان لیتا ہے

مولانا محمد حسین صاحب آزاد آب حیات مین تحریر فرماتے ہین کہ ایکدن میان اوج مجھے راستہ مین ملے معمولی صاحب سلامت کے بعد کہنے لگے آج کیا تھا اودھ تین چلی سنا آیا مین نے کہا کیا! کڑک کر کہا ؎

ڈیڑھ حرف پر بھی تو ہی مطلع و مقطع تمامیہ غالب آسان نہین جو لعب یوان ہونا

دلی مین شیرن نامی ایک رنڈی بہت امیر و کبیر رہا کرتی تھی وہ حج کو جب چلی۔ تو میان اوج فرماتے ہین ؎

بجا ہے شیرن اگر چھوڑ کر دلی حج کو چلی
مثل ہے نو سو چوہے کھاکے بلی حج کو چلی

آغا کلب حسین خان و میاں وحید صاحب

آغا کلب حسین خان صاحب نادر سب سے آخیر میں ہوئے۔ مگر افراط شوق و آمد مضامین و کثرت تصانیف اور پابندی اصول میں سب سے اول تھے۔ تمام عمر انھوں نے ڈپٹی کلکٹری کی اور حکومت کے شغل میں گرفتار رہے مگر فکر شعر سے کبھی غافل نہ رہے جس ضلع میں تبدیل ہوکر گئے مشاعرے کو اپنے ساتھ لیتے گئے انکو اس فن شاعری سے خاص طور کی مناسبت تھی اور بے انتہا شوق تھا چنانچہ آپ فرماتے ہیں ؎

لوگ کہتے ہیں کہ فن شاعری منحوس ہے — شعر کہتے کہتے میں ڈپٹی کلکٹر ہو گیا

کسی نے اسکا جواب بھی لکھا ہے ؎

تری قسمت میں لکھی تھی بادشاہی ہند کی — شعر کہتے کہتے تو ڈپٹی کلکٹر رہ گیا

میاں وحید الہ آبادی نے شاعری میں بے انتہا طبیعت اچھی پائی تھی زبان نہایت اچھی تھی۔ عاشق مزاج و حسن پرست تو شاعر ہوتے ہی ہیں مگر انکا نمبر بہت بڑھا ہوا تھا۔ اکثر آپ الہ آباد سے لکھنؤ تشریف لائے۔ چوک میں شام کے وقت ٹہلنے جو نکلے تو دیکھا کہ ایک پری وش با جمال طوائف اپنی کھڑکی میں بیٹھی ہوئی خربوزے کی قاشیں چاقو سے تراش رہی ہے آپ اسی جگہ بے تکلف کھڑے ہو گئے جس وقت اس عربدہ جو نے انکی جانب نگاہ اٹھا کر دیکھا آپ نے بے ساختہ [illegible] کر کے یہ شعر با آواز بلند پڑھا ؎

[illegible] ہیں جو آپ بنائے ہیں غلام — ایک لیجیے گا دل بھی ہمارا تراش کے

وہ ستمگر [illegible] ہنس کر مسکرائی اور آدمی بھیج کر بلوا لیا اور بڑی تعظیم و تکریم سے ان سے پیش آئی دیر تک شعر و سخن کے چرچے رہے [illegible] لطف آیا اور اس کے بھی مزے اوڑا لے گئے

فصیح الملک داغ و جلیل القدر جلیل

نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی مرحوم جب یہ نہایت کم سن تھے اسوقت حضرت ذوق اپنے اُستاد کے ساتھ اکثر شاہی مشاعرون مین شرکت کی ہے مؤلف جلوۂ داغ نے لکھا ہے کہ انکی شاعری کی ابتدا دس برس کے سن سے ہوئی ابتدا ہی سے طبیعت مین انتہا کی شوخی تھی غرضکہ ایک مُشاعرے مین آپ تشریف لے گئے بہادر شاہ ظفر بھی موجود تھے اوسی زمانے مین غالب نے اس طرح مین دم نکلے ۔ وغم نکلے غزل لکھی تھی جسکا بڑا شور تھا جب داغ کے آگے شمع آئی انھون نے اُسی طرح مین غزل غیر طرح لکھی تھی اوستاد ذوق سے اجازت چاہی کہ غیر طرح مین پڑھون ۔ انھون نے کہا ہان پڑھو ۔ جسوقت مشاعرے مین یہ شعر انھون نے پڑھا ہے

ہوئے مغرور وہ جب آہ میری بے اثر دیکھی
کسیکا اس طرح یارب نہ دنیا مین بھرم نکلے

سارا مشاعرہ حتیٰکہ بڑا اُستاد ذوق خود اجازت دیکر پچھتائے ۔ بادشاہ نے انکو بلاکر بڑی تعریف کی اور پیشانی پر بوسہ دیا ۔

نواب مرزا خانصاحب داغ دہلوی جب پہلے پہل رامپور آئے ہین اور انکو اصطبل کی داروغائی ملی اہل کمال کے تو دشمن ہر جگہ ہوتے ہین اور کچھ نہ بن پڑا تو لوگون نے پھبتیان کہنا شروع کین ۔ کسی صاحب نے ظرافت کی اور یہ شعر لکھا ہے

شہر دہلی سے آیا اک مشکی ۔ آتے ہی اصطبل مین داغ ہوا

ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت آصف سادس سلطان دکن خلد آشیان نے نواب فصیح الملک جناب داغ مرحوم کو دو تلواریں عطا فرمائیں آپ نے برجستہ یہ قطعہ نظم فرما کر پیش کیا ؎

تیز ہیں تیز نگاہوں سے بھی انکی باریں
یہ وہ تلواریں ہیں زخموں کا نہیں انکے علاج

گھاٹ دونوں کے خوش اسلوب ہیں دونوں بانکے
جوہر آب کی یہ شکل کہ بحر امواج

مغربی اور جنوبی ہیں وہ دونوں بے مثل
سر بسر ہیں سر بدخواہ انھیں کے محتاج

ترے قبضے میں ہے تاریخ عطائے شاہی
لکھ دے اے داغ۔ عنایت ہوئیں تلواریں آج

اس موقع پر ہم حضرت جلیل مدظلہ کی بھی تاریخ عطائے شمشیر کو لکھنا مناسب جانتے ہیں کہ جب نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل القدر جلیل جانشین حضرت امیر مینائی رح کو سلطان دکن خلد اللہ ملکہ نے شمشیر عطا کی تو آپ نے بھی فی البدیہہ یہ تاریخ کہہ کر حضور میں پیش کی۔ ملاحظہ ہو ؎

تیغ خوش آب عنایت کر کے
آبرو میری بڑھا دی شہ نے

لکھ چمکتی ہوئی تاریخ جلیل
آج شمشیر عطا کی شہ نے

نواب فصیح الملک حضرت داغ مرحوم کو ایک مرتبہ خلد آشیان نواب میر محبوب علی خان بہادر سلطان دکن نے ایک مرصع گھڑی عطا فرمائی۔ داغ مرحوم نے فی البدیہہ ایک بہت بڑا قطعہ تاریخ نظم کر کے پیش کیا جو ۲۹ شعر کا ہے جس میں سے ہم صرف تین شعر جو گھڑی کے متعلق ہیں نذر ناظرین کرتے ہیں۔ جناب داغ مرحوم فرماتے ہیں ؎

گھڑی جب ملی مجھکو مین نے یہ جانا ۔۔۔ مرے بخت کی ساعت نیک آئی
ستارون سے روشن وہ ہیرے جڑے ہین ۔۔۔ کہ خورشید کی آنکھ بھی جن سے جھپکی
لکھو اس گھڑی داغ تاریخ زیبا
مرصع منور گھڑی شاہ نے دی
۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ھ

حسن اتفاق کہ دور اعلیٰ حضرت (ہز ہائنس) میر عثمان علی خان بہادر سلطان دکن خلد اللہ ملکہ مین ایسا ہی موقع نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل القدر جلیل جانشین امیر مینائی رح کو بھی حاصل ہوا۔ حضور نے گھڑی ۔ توڑا ۔ بٹن ۔ سونے کے ایک ساتھ جناب جلیل کو مرحمت فرمائے ۔ آپ نے بھی ایک لمبا چوڑا قطعہ اسکے شکریہ مین لکھکر حضور مین پیش کیا ۔ مگر ہم صرف وہی اشعار انتخاب کرتے ہین جو گھڑی و توڑے کے متعلق ہین۔

ناظرین ملاحظہ فرمائین کہ دو کامل الفن اساتذہ کو ایک ہی موقع حاصل ہوا اور ایک ہی چیز پاکر ۔ اسکی تعریف مین کس کسطرح رطب اللسان ہین جناب جلیل فرماتے ہین

گھڑی گھڑی مرے سرکار کو خوشی بہ نصیب ۔۔۔ مجھے گھڑی وہ عطا کی جو ہے عجیب غریب
سمجھا ہے مین جسے لکھون عیش کی گھڑی آئی ۔۔۔ کہ بخت جاگ اٹھے سونیکی گھڑی پائی
گھڑی نفیس ہے دلکش ہے خوبصورت ہے ۔۔۔ وہ سادگی ہے کہ صدقے ہزار زینت ہے
پری کا حسن ہے اسکے جمال پر صدقے ۔۔۔ خرام ناز حسینان ہے چال پر صدقے
کہان یہ حسن دلآویز ماہ کامل مین تو ۔۔۔ جو مین نے جیب مین رکھی اتر گئی دل مین
مقیم ہو کے ہمیشہ سفر مین رہتی ہے ۔۔۔ ہر ایک کان مین چلنے کا حال کہتی ہے
اسی کے نقش قدم پر زمانہ چلتا ہے ۔۔۔ اسی سے کام شب و روز کا نکلتا ہے

یہ ایک گھنٹے میں منزل تمام کرتی ہے
مگر کبھی سر منزل نہیں ٹھہرتی ہے
گھڑی کے ساتھ ہے توڑے کا جوڑ بھی نایاب
یہ ہمسر مہ کامل وہ کہکشاں کا جواب
گھڑی ہے سونیکی سونے کا اُس میں توڑا ہے
دل حسود کو دونوں نے مل کے توڑا ہے

حضرت داغ مرحوم نے توڑا طلاعی پاکر کیسی بے نظیر تاریخ لکھی ہے۔

عطیات سپہر کا کیا شکر ہو
کہ فدوی کو کیا کیا عنایت ہوا
یہ لکھو داغ تاریخ تم
یہ سونے کا توڑا عنایت ہوا
سنہ ۱۳۱۱ھ

سبحان اللہ۔
جناب جلیل مدظلہ نے ان عطیات کا جن کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں ایسی لاجواب اور بے مثل تاریخ کہی جسکی تعریف ہو ہی نہیں سکتی ملاحظہ ہو۔

قطعہ تاریخ

عقیدت کے صلے فدوی نے آصف جاہ سے پائے
بڑے رتبے بڑے اعزاز ظل اللہ سے پائے
کہی تاریخ ایسی جو ہو آب زر سے لکھنے کی
گھڑی توڑا بہن ہونیکے اپنے شاہ سے پائے
سنہ ۱۹۱۲ع

یہ اعجاز ہے تاریخ ایسی کم دیکھی۔ جتنی داد دیجائے کم ہے۔

تمام شد

فصاحت جنگ جلیل القدر جلیلؒ

ایک دن اعلیٰ حضرت (ہز ہائنس) میر عثمان علی خان بہادر سلطان دکن خلد اللہ ملکہ نے نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل القدر جلیل جانشین حضرت امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ کو چوبدار بھیجکر طلب فرمایا۔ آپ فوراً تشریف لے گئے جب دربار مین پہونچے حسب قاعدہ آداب شاہی بجا لائے۔ آپ کو دیکھتے ہی ارشاد ہوا کہ شاہزادون کا ختنہ اسوقت ہے آپ تاریخ کہین تو یہ رسم ادا ہو۔ ایسی حالت مین ایک باوقار اور یکتائے زمان شاعر کو اپنا وقار قایم رکھنے مین جس مشکل کا سامنا ہوا ہو گا کچھ اُسی کے دل سے پوچھیئے۔ مگر آپ نے فوراً اعلےٰ حضرت کے حکم کی تعمیل یون کی اور فی البدیہہ یہ بے نظیر قطعہ تاریخ نظم فرما کر پیش کیا۔ جناب جلیل القدر جلیل ارشاد فرماتے ہین۔

قطعۂ تاریخ

ہوا شاہ کے نونہالون کا ختنہ — یہ شادی مبارک یہ جلسہ مبارک
جلیل آج برجستہ فکر سخن ہو — کہو سال ختنہ یہ ختنہ مبارک

۱۳۴۲ھ

ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

حضرت ریاض

خدائے سخن جناب منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی مرحوم کے ہمسفر جناب کوثر و تسنیم و حضرت ریاض بھی تھے بانکی پور میں مقام ہوا۔

حضرت ریاض کی شوخی طبیعت وان کے کلام میں جو بانکپن پایا جاتا ہے۔ وہ کسی کو کہاں نصیب۔ اُسی زمانہ میں حضرت ریاض نے ایک غزل لکھی تھی جسکا ایک شعر یہ ہے ؎

گلا بیٹھا ہوا خدمت اذان کی اور کعبہ میں
بھلے کو ہم دبا لائے تھے ناقوس برہمن کو

اس غزل کو ختم کر چکے تھے مگر مطلع نہیں ہوا تھا مطلع کیلئے صرف یہ مصرعہ کہا تھا۔ ع

جوانی گود میں اپنے کھلاتی ہے لڑکپن کو

دوسرا مصرعہ جیسا چاہتے تھے نہ ہوتا تھا اُس دن موقع پاکر منشی صاحب مرحوم اعلی اللہ مقامہ کی خدمت میں عرض کی کہ اب حضور ہی اس مصرعہ پر مصرعہ لگا کر اسے مطلع کر دیں۔ اور یہ مصرعہ سنایا۔ منشی صاحب قبلہ نے چار مصرعہ موزون فرمائے۔ مگر خود ہی ارشاد فرمایا کہ یہ مصرعہ بلند نہیں ہیں۔ تمہیں فکر کر کے اسوقت مصرعہ کہو اور مجھے خوش کرو۔ اس کا کہنا تھا کہ حضرت ریاض کی زبان سے بیساختہ یہ مصرعہ نکل گیا۔

لیے آغوش میں محرم ہے اُنکے اونچے جوبن کو،
جوانی گود میں اپنے کھلاتی ہے لڑکپن کو،

منشی صاحب قبلہ سنکر پھڑک گئے اور بے انتہا داد دیکر اپنے عوصلہ مند شاگرد کا جی بڑھایا۔

حضرت ریاض کی زمانہ ایڈیٹری مین جبکہ کسی یوروپین افسر سے چوٹین چلتی تھین فتنے مین ایک مضمون کی سُرخی کا یہ مصرعہ تھا۔

یہ مین نے مانا کہ آج خنجر مرا گلو بھی نہین رہیگا

کچھ عوام اور خواص پر اسکا قیام واثر پیدا کرتا تھا اور خلاف معدلت شاہی سمجھ کر بہت جلد تبادلہ ہوگیا۔ تبادلے کے بعد دوسرا مصرع۔ تبادلہ کی خوشی مین یون درج فتنہ ہوا۔ ع

مگر مین قاتل کے اوستمگر ہمیشہ تو بھی نہین رہیگا

شائقین شعر کو شعر کی تکمیل سے مسرت ہوئی اور شعر خود بھی با اثر مقبول تھا اور خاص و عام کی ضرورت نے بلحاظ ضرورت اور رتبہ بلند کردیا۔ چنانچہ اب تک یہ ضرب المثل شعر زبانون پر جاری ہے۔

یہ مین نے مانا کہ آج خنجر مرا گلو بھی نہین رہے گا
مگر مین قاتل کے اوستمگر ہمیشہ تو بھی نہین رہے گا

اور جب کبھی موقع ایسا آتا ہے اس سے بہتر شعر لینا دشوار ہوجاتا ہے صدہا مضمون مین راقم الحروف نے اسی شعر کو بجنسہٖ خود دیکھا ہے۔ مقبولیت اسی کا نام ہے۔

جناب ریاض کا سن ۷۰ لہ سال کا تھا۔ اُس وقت خاص مشاعرون کی شرکت سے پرہیز بھی نہ تھا جسطرح وہ اب مشاعرون مین شرکت سے گھبراتے ہین گھبراتے نہ تھے اور نہ تاویلین کرتے تھے کہ مشاعرون مین شعروشاعری کی ہجو ہوتی ہے اور بعض صورتون مین بیجا شہرت۔ احباب اور شاگردون کے غول بندی کی تعریف ہوتی ہے۔ جسقدر رئیس سے

جاننے والے یا ماننے والے اتفاقیہ یا بالارادہ جمع ہوں اُسی قدر مدح سرائی زیادہ ہوتی ہے۔ شعر غلط ہو یا صحیح ہو اس کا اندازہ ممکن نہیں۔ قدم قدم پر پریس موجود ہیں۔ رسالوں کی کثرت ہے۔ غزل چھپوائیے عیب دکھوائیے صفحہ تحریر پر چھپ جائیگا۔ وہاں ہم نوالہ۔ ہم پیالہ۔ شاگرد و معتقد۔ احباب ساتھ نہ ہوں گے شعر اصلی حیثیت سے نظر کے سامنے ہوگا۔ اور بقول جناب ڈاکٹر رام لعل "وہ خوب بتاتا بھی ہو" تو تحریر میں بتانے کا یا خوش آوازی کا یا حسن داڑھی کا یا موسیقی کا اثر شامل نہیں ہوگا۔ جس طرح اس زمانے میں ترمیم در پیش ہے کہ اکثر شعرا قوالی گاتے ہیں اکثر سوز خوان ہو جاتے ہیں۔ ترمیم میں تنزلی اور ترقی کا ہر وقت اختیار رہتا ہے۔ یہ ذاتی اختیار حاصل ہے کہ نوٹنکی یا سپلیر امشاعرے کا نام رکھئے لیکن ان سب باتوں کا انجام یہی ہوتا ہے کہ کہنہ مشق سوچلے پیدا کرکے مشاعرے کی شرکت جرم سمجھتے ہیں اور کنارہ کش ہوتے جاتے ہیں۔ ابتدا سے شرکت مشاعرہ سے جن خیال رہنے دو کا وہ اتفاقیہ اُڑا دیتی۔

جناب ریاض کے برابر مشاعرے میں ایک بزرگ تشریف رکھتے تھے جو ضعیف بھی تھے پیر مغاں کر چکے تھے۔ مگر صورت بہت مقطع تھی۔ اکثر لوگ واجب التعظیم سمجھتے تھے۔ خود جناب ریاض کے والد بابا کے ملنے والوں میں تھے جناب ریاض نے اپنی شوخی طبع سے یہ مقطع پڑھا

شہر اُور ریاض سے کشتی ہے
لمبی داڑھی ہے ہاتھ بھر کی

وہ اسقدر برہم ہوے کہ اکثر معززین نے رفع شر کیا۔ ورنہ وہ بزرگ یہی سمجھے کہ یہ مجھپر چوٹ ہے۔ اس جھگڑے نے اس قدر طول کھینچا کہ تمام عمر کے واسطے شرکت مشاعرہ سے عہد کرلیا۔ اور اسدن سے آج تک کسی مشاعرے مین شریک نہین ہوے۔

مولوی سبحان اللہ خانصاحب رئیس گورکھپور کا جبکہ قیام لکھنؤ مین تھا اور لسان الملک حضرت ریاض بھی انکے مہمان تھے۔ ایک دن خاکسار مولف بھی وہین حاضر تھا۔ کچھ شعر و شاعری کا چرچا ہو رہا تھا دوران گفتگو مین مولویصاحب موصوف نے کسی استاد کا یہ بے مثل مطلع پڑھا ؎

جسمین سے تو نے دی تھی مجھے کل اٹھا تو لا
ساقی مے الست کی بوتل اٹھا تو لا

اس مطلع کی داد مین نے اور حضرت ریاض نے بہت دی۔ اسوقت مولویصاحب نے انھین قوافی مین مطلع کہنے کی حضرت ریاض سے فرمایش کی آپ نے فی البدیہہ یہ مطلع فرمایا ؎

اتری ہے آسمان سے جو کل اٹھا تو لا
طاق حرم سے شیخ وہ بوتل اٹھا تو لا

اسکو سنکر مولویصاحب موصوف لوٹ گئے بڑی دیر تک ایک کیفیت طاری رہی اور مجھپر تو ایک بیخودی سی چھا گئی۔ بار بار جھوم جھوم کر یہ مصرعہ پڑھتا تھا (طاق حرم سے شیخ وہ بوتل اٹھا تو لا) ہائے سبحان اللہ اہل نظر دونون مطلعونکا لطف اٹھائین اور اس برجستگی کی داد دین۔ کہ پہلے مطلع کے جواب مین تنا بلند مطلع اور فی البدیہہ کہنا حضرت ریاض کا حصہ ہے (طاق حرم سے شیخ وہ بوتل اٹھا تو لا)

مولانا احمد حسین صاحب تمنا

۳ستمبر ۱۹۰۵ء کو مسٹر مظفر امام بیرسٹرایٹ لا کے دولتکدہ پر محفل مشاعرہ منعقد تھی جس مین علاوہ شعرائے شہر کے خاص خاص لوگون مین مولوی کریم الدین صاحب نغمہ مرحوم د مولانا احمد حسین صاحب تمنا بھی باصرار بیرسٹر صاحب تشریف لائے تھے۔ ان صاحبون نے غزل نہین لکھی تھی صدر مقام پر بیرسٹر صاحب نے اپنے بڑے ابا بلبل ہزار داستان جناب مولوی فرزند علی صاحب انگر مرحوم کی تصویر رکھوا دی تھی۔ مرحوم کی قابلیت وہمہ دانی محتاج بیان نہین۔ جب سب لوگ اپنی اپنی غزلین پڑھ چکے تو پہلے جناب نغمہ سے پڑھنے کے لیئے کہا گیا۔ انھون نے اپنی علالت کا عذر پیش کیا۔ پھر حضرت تمنا سے بھی اصرار کیا گیا۔ انھون نے بھی گو اپنی اہلیہ کے انتقال اور اپنی پریشانی کا عذر پیش کیا مگر ایک مطلع طرحی غزل مین اوسی وقت کہہ کر اور مولوی صاحب مرحوم کی تصویر کی طرف اشارہ کر کے حضرت تمنا مرزاپوری نے یون پڑھا۔

مطلع

سامنے بلبل سدا پُرگو بھی سکتا ہوتا
میرا طوطی جو کہین بولنے والا ہوتا

اس تمنا کے مطلع نے اُسوقت سارے مشاعرے مین ایک سناٹا ڈالدیا ہمارے لایق بیرسٹر صاحب کے دل سے کوئی اُسوقت پوچھتا کہ کیا گذری۔ آنکھون مین آنسو ڈبڈباتے ہوئے تو ہم نے بھی دیکھے۔

جناب میر نفیس لکھنوی

میر نفیس مرحوم خلف میر انیس مرحوم کی نسبت اُنکے فرزند میر خورشید حسن صاحب عروج کہتے ہین کہ جناب مغفور نے اپنے انتقال سے چار مہینہ پیشتر ایک نو تصنیف مرثیہ ۶۔ رجب ۱۳۱۸ھ کو پڑھا جسکا ایک شعر یہ تھا ؎

دعا ے خیر سے روحِ حزین کو شاد کرین
ہمارے بعد بھی احباب ہم کو یاد کرین

جسکے ایک ایک لفظ سے حسرت ٹپک رہی ہے۔ اسکے چار مہینہ کے بعد آپ نے اس دُنیا کو خیرباد کہا۔ اسکو صرف اتفاق کہا جاے یا پیشین گوئی۔ افسوس کہ پھر آپ کو نیا مرثیہ لکھنا نصیب نہ ہوا۔ اور اس آخری استدعا کا اتنا گہرا اثر پڑا کہ احباب تو احباب آپ کے دشمن بھی دعاے خیر سے یاد کرتے ہین اور جب تک زبان اُردو زندہ ہے مرحوم یونہی یاد کیے جائینگے۔ اس موقع پر مسٹر حامد علیخان بیرسٹر ایٹ لا کا یہ شعر آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے ؎

یہ منزلت بھی غنیمت ہے اہلِ دنیا کی ملا کے خاک مین ذکر کمال ہوتا ہے

ایک حکیم صاحب فرماتے ہین کہ میر نفیس مرحوم ایک دفعہ دیانت الدولہ کی کربلا مین مرثیہ پڑھنے تشریف لائے سامعین کا ہجوم کثرت سے تھا۔ بیٹھنے کی جگہہ نہ ملتی تھی۔ گرمی کا زمانہ تھا۔ میر صاحب نے ایک سلام پڑھا جسکا مقطع اُسیوقت موزون کرکے یہ پڑھا ؎

نفیس افسوس ہم تو ہند مین ہین پست جا پہونچے خراسان مین نجف مین روضۂ سبط پیمبر مین

جناب جاوید لکھنوی

لکھنؤ میں جب سے میں آیا یہاں کے اکثر شعرا اور کاملین فن سے ملتا رہا جسوقت میں جناب بندہ کاظم صاحب جاوید سے ملا۔ تو جسقدر میں نے شہرت سُنی تھی اُسکا کوئی اثر طریقۂ بسر سے نہیں پایا۔ ہاں دو وقت ایسے پائے گئے جو اونکی شاعری اور کمال کا حال بخوبی منکشف کرتے تھے۔ ایک مجلس وہ بھی ایک نہیں ہزار کن کن واقعات کو لکھوں اگر اُن کے وہ واقعات جو اتنے زمانہ میں مری آنکھوں نے دیکھے حوالہ قلم کروں تو وہ ایک تذکرہ ہو جائے گا۔ دوسرے وقت اصلاح۔ اتفاق سے میں ایک دن ساتھ تھا۔ سبزے کی سیر ہو رہی تھی۔ کہ ایک صاحب سیاہ اچکن پہنے ہوے سامنے سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ آپ نے کہا لیجئے ابو خار صحرا ابھی دامن سے اُلجھنے لگے۔ صبح سے شام تک اصلاحیں دیکھے یہاں آیا تھا۔ یہ بھی مرے ماتم میں سیہ پوش ہیں۔ آنے کے ساتھ ہی اُن حضرت نے ایک مختصر تمہید کے بعد اپنی غزل پڑھنا شروع کی اُسکا مطلع تھا۔

حنا ملکر جو شب کو اپنے گھر سے وہ نکلتے ہیں　　نہ پوچھا ہے کہیں شمعوں بھی عاشق دل جلتے ہیں

آپ نے سُن کر کہا کہ بھئی یہ مطلع تو کسی قبر کی لوح پر لکھوا دو یہ کہہ کر آپ نے کہا کہ اسے یوں بنا دو ؎

حنا ملکر کفِ رنگین پہ وہ گھر سے نکلتے ہیں
چراغ ایسے حسین دو ہیں کہ ان پا تقسیمہ جلتی ہیں

خیر یہ اصلاح لے کر تو چلے گئے ایک دوسرے صاحب نازل ہوئے۔

نہایت ادب سے فراشی سلام کیا اور کہا کہ ایک مطلع اور ایک شعر عرض کیا ہے۔ اسے ملاحظہ فرما لیجیے۔ آپ نے کہا پڑھیئے۔ مطلع تو مجھے یاد نہ رہا شعر یہ تھا ؎

نہین ہے اب کوئی دیکھے جو اِن کو
حسین اب کیا کرین سرمہ لگا کے

کہا بھئی اسکو یون بنا دو تو اچھا ہے ؎

دم زینت خیال آتا ہے کس کا
حسین رُو دیتے ہین سُرمہ لگا کے

ایک مجلس مین جناب جاؔد پڑھنے گئے۔ بانی اُسکے نہایت بخیل تھے۔ کسی دوست کے ایما سے آپ نے اُسی وقت یہ رباعی موزون کرکے پڑھی

رُباعی

دنیا کے تعب سب یہ گذر جاتے ہین   دل حد کے جو نازک ہین تو ڈر جاتے ہین
آخر مین بخیلون کا یہ ہوتا ہے مآل   مہمان جو اجل آتی ہے مر جاتے ہین

چندوسی ضلع مراد آباد مین سب انسپکٹر سید اصغر حسین نے جناب جاؔد کو پڑھنے کے لیئے بلایا۔ اس مجلس مین کئی ہزار آدمیون کا مجمع تھا۔ اتفاق سے ایک ایسی آندھی آئی جس سے ہر چیز اُلٹ پلٹ ہو گئی۔ جب آندھی کا زور کم ہوا۔ تو مجلس شروع ہوئی۔ سید اسمٰعیل حسین صاحب جو وہین کے ایک شاعر تھے یہ فرمایش کی کہ اسوقت کوئی ایسی رباعی پڑھیئے جسمین کچھ اس آندھی کا بھی ذکر اور محفل کی برہمی کا بھی ہو۔

اُسیوقت آپ نے فی البدیہہ یہ رباعی ممبر پر جاتے ہی پڑھی ؎

رُباعی

کس وقت میں مُنہ دہر سے موڑا مین نے
تھا دم سے جو رشتہ اُسے توڑا مین نے
دنیا مین ملا جو وہ یہین صرف کیا
سینے مین نفس تک بھی نہ چھوڑا مین نے

جونپور کی ایک مجلس مین کسی شاعر نے میر انیس مرحوم کے اس مصرعہ پر مصرعہ لگایا پہلا مصرعہ اُنکا یہ تھا دوسرا مصرعہ میر صاحب مرحوم کا ہے۔

ہم مین نے سینے کو کر دیا ہے یہ تنگ
تڑپ رہا ہون مین الماس کے نگین کیطرح

اور پھر جناب جاوید سے بھی مصرعہ لگانے کی فرمایش کی آپ نے فوراً یہ مصرعہ لگایا ؎

جگر کے زخم مین رہ رہ کے اُٹھ رہی ہی چمک
تڑپ رہا ہون مین الماس کے نگین کیطرح

ایک دن جناب جاوید میرے گھر سے اُٹھکر جارہے تھے۔ پانی برس کے نکل گیا تھا راستے مین کیچڑ بہت تھی۔ پانون جو کیچڑ مین پڑا اور پانی کی چھینٹین اڑین۔ مولانا عشقی اور عزیزی طرب ساتھ تھے آپ نے اُسیوقت۔ موزون کرکے یہ شعر پڑھا ؎

شعر

جو چھینٹ پانون سے اُڑتی ہے سر پہ آتی ہے
فلک کی طرح زمین بھی ہمین ستاتی ہے

لسان العصر حضرت اکبر

لسان العصر خان بہادر حضرت اکبر کے برادر نسبتی سید حافظ حسین صاحب جو مؤلف کتاب ہذا کے بھی بے تکلف دوستوں میں ہیں۔ جب ان کی شادی کے پیغام اکثر آئے اور بعض بڑے گھروں سے اس پر اصرار کیا گیا کہ لڑکے کو ابھی تعلیم کی اور ضرورت ہے ہمارے آزاد خیال دوست سے کہا گیا۔ مگر اُنھوں نے اُردو مڈل کے آگے قدم نہ بڑھایا۔ اور انگریزی تعلیم سے قطعی انکار کر دیا اس موقع پر جناب اکبر نے یہ بے مثل قطعہ نظم فرمایا ؎

قطعہ

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر — مجھے تو انکی خوشحالی سے ہے یاس
یہ عاشق شاہد مقصود کے ہیں — نہ جائینگے ولیکن سعی کے پاس
سناؤں تم کو اک فرضی لطیفہ — کیا ہے جس نے جسکو زیب قرطاس
کہا مجنوں سے یہ لیلیٰ کی ماں نے — کہ بیٹا تو اگر کرلے ایم۔اے پاس
تو فورًا بیاہ دوں لیلیٰ کو تجھ سے — بلا دقت میں بنجاؤں تری ساس
کہا مجنوں نے یہ اچھی سنائی — کجا عاشق کجا کالج کی بکواس
کجا یہ فطرتی جوش طبیعت — کجا ٹھونسی ہوئی چیزوں کا احساس
بڑی بی آپ کو کیا ہوگیا ہے — ہرن پر لادی جاتی ہے کہیں گھاس
یہ اچھی قدردانی آپ نے کی — مجھے سمجھا ہے کوئی ہرچرن داس
دل اپنا خون کرنے کو ہوں موجود — نہیں منظور مغز سر کا آماس
یہی ٹھہری جو شرط وصل لیلیٰ — تو استعفا مرا باحسرت دیاس

سید عشرت حسین خلف حضرت اکبر جو اب بعہدہ ڈپٹی کلکٹری ممتاز ہین جب لندن مین تھے اور جنکی شادی سید احمد حسین صاحب مذاق تعلقدار پر یانوان کی صاحبزادی سے ہو چکی تھی۔ مگر رخصتی واپسی لندن پر قرار پائی تھی۔ مگر عشرت سلمہٗ لندن کی دلچسپیون مین ایسے محو ہوئے کہ گھر بھی بھول گئے۔ تعلقہ دار صاحب کی طرف سے سخت تقاضے ہوئے کہ اب رسم رخصتی ادا ہونا چاہیئے۔ جناب اکبر نے کئی خط طلبی مین لکھے مگر کون سنتا ہے۔ مجبور ہو کر ذیل کا قطعہ نظم فرمایا اور عشرت سلمہٗ کے پاس بھیجا ؎

قطعہ

لندن کو چھوڑ لڑکے اپنے گھر کی خبر لے
بنتی رہینگی باتین آباد گھر تو کر لے

راہ اپنی اب بدل دے بس پاس کر کے چلدے
اپنے وطن کا رخ کر اور رخصت سفر لے

انگلش کی کر کے کاپی دنیا کی راہ ناپی
دینی طریق مین بھی اپنے قدم کو دھر لے

واپس نہین جو آتا کیا منتظر ہے اس کا
مان خستہ حال ہو لی بیچارہ باپ مر لے

مغرب کے مرشدون سے تو پڑھ چکا بہت کچھ
پیران مشرقی سے اب فیض کی نظر لے

مین بھی ہون اک سخنور اسکن کلام اکبر
ان موتیون سے آکر دامن کو اپنے بھر لے

اس قطعہ مین دلی جذبات کا اظہار جس شعر مین کیا ہے وہ کس قدر با اثر ہے اللہ اللہ شعر ؎

واپس نہین جو آتا کیا منتظر ہے اسکا
مان خستہ حال ہو لے بیچارہ باپ مر لے

حضرت اکبر کا جو قطعہ ہم اوپر لکھ چکے ہین جب اسیر بھی جناب عشرت واپس

نہ آئے پھر آپ نے دوسرا قطعہ نظم فرما کر بھیجا - اسے بھی ملاحظہ فرمایئے - کیا خوب فرمایا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ نہایت غصے میں یہ قطعہ نظم کیا گیا ہے -

قطعہ

عشرتِ گھر کی محبت کا مزا بھول گئے ۔۔۔ کھا کے لندن کی ہوا عہدِ وفا بھول گئے
پہونچے ہوٹل میں تو پھر عید کی پروا نہ رہی ۔۔۔ کیک کو چکھ کے سویوں کا مزا بھول گئے
بھولے ماں باپ کو اغیار کے چرچوں میں وہاں ۔۔۔ سایۂ کفر پڑا نورِ خدا بھول گئے
موم کی پتلیوں پر ایسی طبیعت پگھلی ۔۔۔ چمنِ ہند کی پریوں کی ادا بھول گئے
کیسے کیسے دلِ نازک کو دکھایا تم نے ۔۔۔ خبرِ فیصلۂ روزِ جزا بھول گئے
بخل ہے اہلِ وطن سے جو وفا میں تم کو ۔۔۔ کیا بزرگوں کی وہ سب جود و عطا بھول گئے
نقلِ مغرب کی ترنگ آئی تمہارے دل میں ۔۔۔ اور یہ نکتہ کہ مری اصل ہے کیا بھول گئے

کیا تعجب ہے جو لڑکوں نے بھلایا گھر کو
جبکہ بوڑھے روشِ دینِ خدا بھول گئے

موم کے پتلیوں کی تشبیہ ایسی انوکھی ہے کہ جسقدر داد دی جائے کم ہے اور پھر طرفہ "طبیعت پگھلی"، اس مناسبت پر جی لوٹ جاتا ہے -

سبحان اللہ

جب شمس العلما مولانا شبلی مرحوم الہ آباد میں آئے اور حضرت اکبر کو ان کے ورود کی خبر پہونچی آپ نے دعوت کی اور قلم برداشتہ یہ اشعار نظم فرما کر مولانا مرحوم کی خدمت میں روانہ کیے ؎

اشعار

آتا نہین مجھکو قبلہ قبلی — بس صاف یہ ہے کہ بھائی شبلی
تکلیف اوٹھاؤ آج کی رات — کھانا یہین کھاؤ آج کی رات
حاضر جو کچھ ہو دال دلیا — سمجھو اس کو پلاؤ قلیا

ایک مرتبہ حضرت اکبر کو باری سے سخت تپ آئی تھی جب اچھے ہوے تو یہ شعر فرمایا ؎

شعر

علم باری مین یہ تپ موت کی تمہید نہ تھی
ورنہ ظاہر مین تو کچھ زیست کی اُمید نہ تھی

یہ تذکرہ ۱۹۰۵ء کا ہے۔

حضرت اکبر نے جب پردے کے خلاف اخبارون اور رسالون مین مضامین پڑھے اسوقت جوش مین آکر جو بے مثل قطعہ آپ نے نظم فرمایا وہ آپ ہی اپنا نظیر اور آج زبانون پر ہے ؎

قطعہ

بے پردہ کل جو آئین نظر چند بیبیان — اکبر زمین مین غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو اُن سے آپ کا پردا وہ کیا ہوا — کہنے لگین کہ عقل پہ مردون کے پڑ گیا

جناب آرزو لکھنوی

جناب سید انور حسین صاحب آرزو جانشین حضرت جلال مرحوم نے بحور متدارک و متقارب مین جو اعجاز دکھائے ہین محتاج بیان نہین۔ آپ رنگ میر مغفور سے خاص انہماک رکھتے ہین۔ ایک مرتبہ موصوف الصدر بطور سیاحت لاہور تشریف لے گئے نورجہان بیگم کے مزار پر گذر ہوا تو اُسکی شکستہ حالی و کس پرسی سے اسقدر متاثر ہوے کہ اُسیوقت کویلہ سے دیوار پر یہ شعر لکھ دیا جسکے اثر کی کوئی حد ہی نہین ملاحظہ ہو ؎

قتال جہان عشوق جو تھے سہتے ہین پڑے مرقد اُنکے
یا مرنے والے لاکھون تھے یا رونے والا کوئی نہین

بہت زمانہ کے بعد اثار الصنادیدِ ہندوستان کی شاہی عمارتون پر توجہ ہوئی اور جن کے اہتمام مین مقبرہ نورجہان تھا اُنھون نے سنگ مرمر پر کندہ کرا کے مذکورہ شعر کو لوح مزار پر نصب کرا دیا اور اخبارون مین اس امر کا اعلان کیا گیا کہ کوئی صاحب آرزو لکھنوی ہین جو اپنا شعر لکھ گئے تھے کمیٹی مین پیش کیا گیا اور وہان سے اجازت ملی کہ نورجہان سلطانِ ہند کے لوح مزار پر کندہ کیا جائے۔ چند روز ہوئے کہ ایک صاحب نے بیان کیا کہ بیگم صاحبہ بھوپال کے قبر پر بھی مذکورہ شعر درج ہے ہم اپنے دوست حضرت آرزو کو اس کامیابی پر مبارکباد دیتے ہین وہ اسپر جسقدر فخر کرین کم ہے کیونکہ شاعری کی زندگی مین عام مقبولیت الشاذ کالمعدوم ہے۔

جناب آرزو جانشین حضرت جلال مرحوم بیان فرماتے ہین کہ مرے محلے مین ایک میر صاحب رہتے تھے جو خود شعر نہین کہتے تھے مگر سخن فہمی کے مدعی تھے۔ ایک دن مجھے چوک مین ملے۔ مین نے سلام کیا۔ میر صاحب نے شفقت آمیز لہجے مین جواب سلام دیکر فرمایا۔ کہ ایک مصرعہ ہے اُس پر مصرعہ لگا دیجئے مگر مصرعہ اُوپر رہا ہو۔ مین نے کہا فرمایئے۔ آپ نے یہ مصرعہ پڑھا ع

اُڑ گئی سونے کی چڑیا رہ گئے پر ہاتھ مین

مین نے وقت طلب کیا۔ جواب مین فرمایا۔ برسون مین دو برس مین دس برس مین بیس برس مین بچاس برس مین جب ہو سکے گویا میر صاحب طے کر چکے تھے کہ مدت العمر مین بھی اس پر مصرعہ نہ ہو سکے گا۔ مجھے اُنکے اس کہنے سے ایسی تکلیف پہونچی کہ مین اُسیوقت مصرعہ لگانے پر آمادہ ہوگیا۔ اور اُن سے یہ عرض کیا کہ مجھے تو اُمید نہین کہ جو سانس آچکی وہ آخری ہے یا ابھی چند نفس اور باقی ہین۔ تھوڑی سی مہلت دیجئے مین ابھی فکر کرتا ہون میر صاحب نے نہ مانا اور آگے چلے گئے۔ مجھے اُسوقت ایسی چڑ سی لگی تھی کہ فکر کرنے لگا۔ غالباً دس بارہ منٹ گذرے ہونگے کہ مصرعہ لگا لیا اور وہین سے پلٹا اُدھر سے وہ بزرگ بھی راستے مین ٹہلتے ہوے گھر مین نے کہا کہ لیجئے مصرعہ لکھ لیجئے میر صاحب نے حیرت سے کہا کہ ایسی جلد آپ نے مصرعہ لگا لیا۔ بھلا سنایئے تو سہی۔ مین نے یہ مصرعہ پڑھا ؎

دامن اُس یوسف کا آیا پرزے ہوکر ہاتھ مین
اُڑ گئی سونے کی چڑیا رہ گئے پر ہاتھ مین

جناب آرزو کی ایک پیاری بیٹی نے نہایت کمسنی مین انتقال کیا جسکا انہین بیحد صدمہ ہوا ترک کیا مشغلۂ شاعری ترک کر ہا مگر معیار کے مشاعرہ کی غزل لکھی مقطع ملاحظہ ہو

برق حسرت آرزو نخل تمنا پر گری
تھی پھلنے کی خوشی جسکی وہ پودا جل گیا

جناب بیخود موہانی

جناب بیخود موہانی کا بیان ہے کہ میں ہردوئی اسٹیشن پر گاڑی کا منتظر تھا ایک ستر برس کا بڈھا ایک پندرہ سولہ برس کی پرچھال کو لیئے ہوئے آیا۔ جسکے چہرہ پر اداسی کا رنگ بھرا ہوا اسکی روئی ہوئی آنکھیں اسکا اترا اترا چہرہ دلوں کو ٹکڑے کیئے دیتا تھا نگاہوں سے شوخی کی جگہ حسرت ٹپک رہی تھی۔ لبوں تک بیساختہ آجانے والی آہوں پر ضبط کا پہرہ بٹھا دیا گیا تھا جس سے فریاد کا گلا گھونٹ دیا جاتا تھا مگر گلاب کی پنکھڑی کے سے لب تھرا کے رہ جاتے تھے وہ گرگ باراں دیدہ بھی فطری اور کم طاقتی پیرانہ سری سے سرنگوں ہو رہا تھا تو خزانہ کا سانپ بنا تھا مگر قدرت کا دیا ہوا کس بل ہوا ہو چکا تھا۔ مشک افشاں گھونگھر والے بالوں سے کافور کی بو چلی آتی تھی لباس پر ملگجے کفن کا دھوکا ہوتا تھا۔ ایسی ولولہ انگیز نازنین پہلو میں تھی مگر چہرے پر مردنی چھا رہی تھی جس رہگذر سے آنکھیں سینکنے والے بدمست جوان بزم تمنا میں قدم رکھنے والے البیلے بیدرد مست شباب نظارہ بازی میں اپنی بدمستیوں اور بے حجابیوں کی داد دے رہے تھے۔ من طوطی را با زاغے ہم قفس کردند پر نظر کر کے فخر المتاخرین غالب کے اس شعر سے عبرت کا سبق لے رہا تھا ؎

جو تھا وہ موج رنگ کے دھوکے میں مر گیا
اے وائے نالہ شب خونیں نوائے گل

اتنے میں کسی ہوس مست بیدرد نے آخر میرے دل کو جو پکا پھوڑا ہو رہا تھا چھیڑ دیا اور میں نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا ؎

دل پرخون نظر آتا ہے گل تصویر [illegible] بسمل
مرے اللہ ہم دل لیکے اس گلشن [illegible]

مرزا حیرت الہ آبادی

مرزا محمد جان حیرت الہ آبادی جنکو فن شاعری مین جناب اعظم الہ آبادی شاگرد آتش سے تلمذ تھا۔ زمانہ کجبازکے ہاتھون ان کی حالت بہت غیر ہوگئی تھی بیچارے فاقہ کرتے تھے دکھ بھرتے تھے ایک ان کے پرانے لنگوٹیا یار جنھون نے ان کی وہ حالت دیکھی تھی کہ جسوقت یہ بہت آسودہ حال تھے اتفاق سے کوئی ۵۔۶ سال کے بعد جب یہ الہ آباد آئے انھون نے مرزا حیرت کو لوگون سے دریافت کیا کہ کہان و کس حال مین ہین۔ سب نے ان کی حالت بتادی کہ اب بہت خراب ہو رہی ہے اور ان کے مکان کا پتا دیا یہ پوچھتے ہوے مرزا صاحب کے مکان پر آے آواز دی میان حیرت باہر نکل آئے انھون نے فوراً ان کو دیکھتے ہی ان سے مخاطب ہوکر یہ شعر پڑھا ؎

حیرت وہ تری چاند سی تصویر کیا ہوئی
پہلے جو زر فشان تھی وہ تقدیر کیا ہوئی

اس کا سننا تھا کہ بیساختہ مرزا حیرت صاحب کی آنکھون سے آنسو نکل پڑے اور اپنے پوچھنے والے دوست سے یون جواب دیا ؎

ہر شے کو انقلاب زمانہ نگل گیا
کیا جانیے مجھ غریب سے تقصیر کیا ہوئی

اوسوقت اُن لوگون کے دلون پر جو گذری وہ کچھ اونھین کے دلون سے پوچھا چاہیے۔ جنپر کبھی ایسا وقت گذر چکا ہو۔

میر گدا حسین فضا و جناب نعیم

میر گدا حسین فضا ایک طباع شاعر تھے۔ قلق مرحوم کے شاگرد رشید غازیپور کے رئیس تھے۔ میر صاحب مرحوم کے بڑے بھائی میان خادم بیان کرتے ہین کہ فضا ایک پردہ نشین حور لقا نازنین کے کشتۂ ناز تھے۔ تمام عمر فراق ہی مین بسر کی۔ ہان روز وصال کچھ سامان وصل نظر آتا تھا جب اُن کا اخیر وقت ہوا۔ کسی نے اس تغافل شعار سے بھی کہہ دیا کہ اب فضا تھوڑی ہی دیر مین پنجۂ قضا مین ہونگے کشش الفت نے کس موقع پر اپنا اثر دکھایا کہ وہ بیتاب ہو کر دیکھنے آیا۔ میر صاحب کی رنگینیٔ طبع مرتے مرتے بھی نہ گئی تھی۔ اپنے معشوق کو سر بالین دیکھ کر بیساختہ فرمایا ؎

نزع مین اے مسیحا صورت جو دکھلائی تو کیا وقت مردن دولت قارون ہی ہاتھ آئی تو کیا

جناب نعیم اللہ نعیم محمد حاتم حاتم کے ہمعصر تھے ہمیشہ دلی مین اُنسے حاتم سے اکثر مشاعرے مین چوٹین چلا کرتی تھین۔ دونون اُستادان فن شاعری مین اپنی اپنی غزلون کا موازنہ کرکے طبع وقار کا ثبوت دیتے تھے ایک مرتبہ حاتم نے مشاعرے مین غزل شروع کی تو مطلع ہی مین نعیم پر تعریض کیا تھی۔

جس چمن سے کوئے یار کا حاتم مثال ہو بدتر اسے خزان سے بہار نعیم ہے

جسوقت شمع نعیم کے روبرو آئی اُنھون نے فی البدیہہ یہ مطلع کہہ کر پڑھا۔

جناب نعیم فرماتے ہین ؎

طلب نہ ہو تو سلیمان کی کچھ بھی حاتم سے
لب سوال نہ ہووے تو ہیچ حاتم ہے

مرزا ساجد و حکیم محمد افضل الہ آبادی

فقیر خستہ جگر صفدر کے کرم دوستون مین مرزا ساجد مرحوم جو نہایت ظریف و بذلہ سنج شگفتہ جبین خندہ رو بات مین نیا انداز ہر فقرے مین چلتے ہوئے جادو کا اثر خوش وضع خوش لباس رنگین طبع عاشق مزاج اچھی صورت جہان نظر آئی بس وہین کے ہو رہے بقول کسی شاعر کے ؎

عجب کچھ حالت دل ہو جہان دیکھی نئی صورت
دل ناداں مچلتا ہے کہ بس ہم تو یہی لیں گے

ہمارے حضرت کسی کافر ادا کے تیر نگاہ سے بسمل ہو چکے تھے۔ اور نو کوئی موقع نہ تھا کبھی کبھی آپ لب دریا جب وہ بحر حسن لطافت نہانے کے لئے آیا کرتا تھا۔ دیکھ بھال لیا کرتے تھے۔ آشنائی کا حال مجھے نہین معلوم مگر اتنا کہہ سکتا ہون کہ محبت ضرور تھی اور دونون طرف سے ایک دن نشست لب دریا خانہ صاحب ہم آوردہ بیٹھے ہوئے باتین کر رہے تھے کہ یکایک جلوۂ حسن بتان نے آنکھون مین چکاچوند کر دی۔ اس غول مین ان کی وہ معشوق زہرہ جمال بھی نظر آئی۔ سب نے دھوتیان کاندھون سے اُتار کر رکھین دریا مین خوب اچھی طرح نہائین۔ جب نہا کر چلنے لگین اور ہمارے دوست کی اُس سے آنکھ دوچار ہوئی بیساختہ یہ شعر مرزا کی زبان سے نکل گیا ؎

کنار دیکھو لگے حسرت سے رہ گیا دریا
حباب پھوٹ کے روئے جو تم نہا کے چلے

مجھکو بڑا نہا مزا آگیا۔ اور بڑی دیر تک یہ شعر پڑھا کیا۔ ہائے کیسی موسم

شباب مین اس نوجوان نے دنیا کو خیرباد کہا میری نگاہ سے اب تک اس طبیعت وصورت وشباہت کا انسان نہین گذرا مرنے سے چند روز پیشتر اکثر غالب کا یہ شعر اپنے مقطع کے ساتھ پڑھا کرتے تھے ؎

کرئیے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت سا جد
تمکو بے مہری یاران وطن یاد نہین

بس اب دل بھر آتا ہے اور بیساختہ زبان سے یہ مصرعہ نکلتا ہے ۔ ع

خدا بخشے بہت سی خوبیان تھین مرنے والے مین

حکیم محمد افضل الہ آبادی مرحوم کی نسبت میرے ایک دوست بیان کرتے تھے کہ مین حکیم صاحب کے مکان پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُنکے مکان کے سامنے ایک صاحب جنکو کسی کچہری سے تعلق تھا کرایہ پر ٹھہرے ہوے تھے اُن کی صاحبزادی ابھی جسکا تیرہوان سال بھی شروع نہ ہونے پایا تھا حسن وصورت مین لاجواب ایک ایک ادا مین جسکی قیامت سے کم نہ تھین یکایک وہ نوخیز حسین اپنے دروازہ پر کیواڑ کے قریب چلی آئی اور ایک سایٹ کیواڑ کا کھولا تھا کہ ضیائے حسن نے ہم دونون کی آنکھین چھپکا دین ہم لوگون کو دیکھ کر کیواڑ بند کر لئے گئے ۔ یہ معلوم ہوا جیسے بجلی چمک کر پردہ ابر مین چھپ گئی حکیم صاحب کی زبان سے بیساختہ یہ مطلع نکل گیا ؎

بیساختہ اس طرح نہ نکلا کرو گھر سے
اب لوگ تمھین دیکھتے ہین اور نظر سے

وہ بیان کرتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ واللہ جسوقت یہ شعر مین پڑھتا ہون میرے سامنے وہ نقشہ کھنچ جاتا ہے ۔

جناب عزیز لکھنوی

ایک روز مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی اپنے ایک دوست کے جنازہ کے ساتھ جارہے تھے۔ مرحوم کی ہر دل عزیزی اور ادن کی جوانی نے انکا دل ٹکڑے کردیا۔ راستہ میں لوگ میت کا کاندھا بدل رہے تھے۔ اسی عالم میں دو قطعے بے اختیار موزون ہو گئے۔ جو بلا مبالغہ تصویر عبرت ہیں۔

قطعہ

آج سب احباب سے روپوش ہون
سُن رہا ہون سب کی اور خاموش ہون
کل بٹھاتے تھے مجھے آنکھون پہ لوگ
آج وہ دن ہے وبالِ دوش ہون

دیگر

جو کوئی آتا ہے وہ رُوتا ہوا
ساتھ میرے جان کو کھُوتا ہوا
مر کے کیا راحت ملی تابوت میں
جارہا ہون چین سے سوتا ہوا

جناب عزیز کا ایک روز قبرستان میں گذر ہوا۔ دیر تک اُس خاموش بستی کا نظارہ کرتے رہے۔ وہین ایک قبر پر یہ قطعہ موزون کیا جناب عزیز فرماتے ہیں۔

قطعہ

چھپنے والے طلسم گردشِ افلاک کے
دل سے قایل ہین تصوُّر قوتِ ادراک کے
یہ طلسم دہر کیا اور ساکنانِ دہر کیا
اک کرہ ہے گھومتے ہین جس میں ذرّے خاک کے

جناب عزیز ایک مرتبہ اپنے ایک بیمار دوست کی عیادت کو گئے مزاج پرسی کی۔ اُنھون نے نہایت مایوسی کے لہجے میں یہ شعر پڑھا۔

شعر

منحصر مرنے پہ ہو جسکی اُمید — نا اُمیدی اُسکی دیکھا چاہیئے

ان کے سامنے ہی انکی حالت متغیر ہوگئی اور نزع کے آثار شروع ہو گئے۔ ان سے یہ حالت دیکھی نہ گئی اُٹھ کر باہر چلے آئے اور اپنے مکان کی طرف چلے۔ راستے مین ایک دوست جو عیادت کو جارہے تھے۔ اُنھون نے ان سے پوچھا کہ کیا حال ہے۔ اُنھون نے یہ قطعہ جوان کی حالت دیکھ کر فی البدیہ نظم کیا تھا سنا دیا۔ وہ یہ ہے۔

قطعہ

آمادہ رخصت نفس بازپسین ہے — ہین سرد سب اعضا عرق آلودہ جبین ہے

کُھلنے کو ہی شیرازہ مجموعہ ہستی — اب پیش نظر دفتر اوراق زمین ہے

ایک مرتبہ کسی دوست کے ہان جناب عزیز مدعو تھے۔ چند احباب اور بھی شریک طعام تھے۔ اتفاق سے ایک دوست کا کھانا کھانے مین ایک دانت جو ہل رہا تھا ٹوٹ گیا۔ بیچارے کھانے پر سے اُٹھ گئے۔ اسیوقت آپ نے یہ قطعہ موزون کیا اور بعد فراغ طعام حاضرین جلسہ کو سُنایا۔

قطعہ

طفلی تھی یا کہ عہد مسرت کا ایک خواب — سمجھا نہ مین کہ نیند کا جھونکا تھا یا شباب

ناپائیدار زیست کی اب کیا اُمید ہو — پیری نے بھی دیا مجھے دندان شکن جواب

جناب عزیز کے ایک دوست کی بیوی جو تعلیم یافتہ اور حُسن سیرت وصورت سے آراستہ تھین انتقال کیا چند روز کے بعد انکی ایک تحریر ملی

جو انھون نے مرنے سے پیشتر اپنے شوہر کو لکھی تھی۔ جس مین کہ وصایا اور
اپنے اعزہ کے نسبت تحریر کیا تھا۔ وہ اُس کو پڑھ رہے تھے اور گرد اُنکے
تمام اعزہ جمع تھے بعض ان مین سے چیخ چیخ کر رو رہے تھے۔ اتفاق سے
اسی وقت کی ڈاک مین حضرت عزیز کا ایک خط اُنکو پہونچا جس مین انھون
نے اپنی ایک تازہ غزل بھیجی تھی۔ اور انکو اس حادثہ کی مطلق خبر اُس
وقت تک نہ تھی۔ اُسمین ایک شعر یہ بھی تھا ؎

ہجوم عام ہے سب رو رہے ہین دیکھکر اُس کو
مرے بعد آج میرے گھر سے اک تحریر نکلی ہے

یہ شعر اس واقعہ کی پوری تصویر تھا۔ اسلیئے اُن پر اور تمام اعزہ پر جو کہ
اُسوقت موجود تھے۔ بیحد اثر پڑا۔ اُنھون اُس خط پر اس شعر کو لکھ لیا۔
اور جواب مین جو واقعات گذر رہے تھے جناب عزیز کو لکھ بھیجا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک صحبت مین جناب عزیز نے پریشان ہونا
گریبان ہونا۔ اس طرح مین اپنی غزل پڑھی جب اُنھون نے یہ مطلع پڑھا ؎

دیکھکر ہر در و دیوار کو حیران ہونا
وہ مرا پہلے پہل داخلِ زندان ہونا

تو اُن مین سے ایک صاحب اس مطلع سے بہت ہی خاص طور پر متاثر ہوئے
اور اس مطلع کو بے تابانہ بار بار پڑھتے رہے۔ یہان تک کہ اپنے مکان پر
پہونچنے پر بھی اُن پر ایک وجدانی کیفیت طاری رہی اور رات بھر اسی
مطلع کو پڑھا کیئے۔ صبح اُٹھتے ہی اُنھین ایک بہت بڑی مصیبت کا سامنا
ہوا اور بدقسمتی سے ایک دن اور ایک رات اُن کو جیل خانہ مین رہنا پڑا۔

جب وہان سے رہائی ہوئی تو اُنھوں نے جناب عزیز سے بیان کیا کہ جب جیل خانہ گیا وہان پھر مجھے یہ مطلع یاد آیا۔ اور ایک خاص کیفیت مجھپر طاری ہوئی۔

قطعاتِ تاریخ

میرے مکرم دوست حضرت عزیز لکھنوی بیان فرماتے ہین کہ جناب سید مصطفےٰ صاحب عرف میر آغا صاحب (لکھنؤ کے جید مجتہد) کا انتقال ہوا تمام شہر مین ایک کہرام تھا مین نے یہ خبر جسوقت سنی تو فوراً ایک مصرعہ میری زبان سے نکلا ع

باز شد اقلیم دین ویران ز مرگ مصطفےٰ

تھوڑی دیر کے بعد خیال آیا کہ اسکو جوڑنا چاہیے حساب کرنے کے بعد پورے سنہ اس مصرعہ سے نکلے۔ مین نے اوسپر مصرع لگا کے۔ چنانچہ یہی قطعہ تاریخ اونکے سنگ مزار پر کندہ ہے۔

شاہزادہ مرزا اسکندر بخت کا انتقال ہوا۔ میرے ایک دوست نے تاریخ کی فرمایش کی۔ فوراً مصرع زبان سے نکلا۔ ع

خورد سکندر بجام فنا

اعداد جوڑے تو پورے تھے۔

تمام شد

جناب خواجہ عشرت لکھنوی

جناب خواجہ محمد عبد الرؤف عشرت لکھنوی کی ذات بابرکات اسوقت لکھنؤ کے شعراءمین مغتنم ہے نثر و نظم دونون مین یدطولیٰ حاصل ہے ایک مرتبہ مدرسہ تکمیل الطب کے چند طلبا اس مسئلہ پر اصولاً بحث کر رہے تھے کہ غذا جب بدن مین داخل ہوتی ہے تو جزو بدن بن جاتی ہے۔

خواجہ صاحب نے مسکرا کر فرمایا مجھے اس کلیئے سے اتفاق نہین ہے سب نے کہا آپ کے پاس کوئی دلیل بھی ہے آپ نے یہ شعر موزون کر کے پڑھ دیا ؎

حکما کہتے ہین ہوتی ہے غذا جزو بدن
ہمتو تحلیل ہوئے جاتے ہین غم کھانے سے

سب نے ایک زبان ہو کر کہا فی الحقیقت یہ آپ کی شاعرانہ تحقیق کا کلیہ ہے پھر اسی زمین مین مطلع فرمایا ؎

مطلع

بزم ابتر ہوئی نکلی جو وہ میخانے سے ٹو
شیشے توڑ دیئے چھلکی گئی پیمانے سے

سبحان اللہ۔

ارباب نشاط کے کسی جلسے مین ایک ستم شعار کے دلکش تیور دیکھ کر آپ نے یہ مطلع فوراً موزون فرمایا۔ جناب خواجہ عشرت فرماتے ہین ؎

مطلع

بیوفا تیری نظر کا رنگ بیر محفل مین ہے
اک چھری سینہ مین ہے تو ایک برچھی دل مین ہے

احباب نے بہت پسند فرمایا اور تعریف کی۔

شہزادہ مرزا قیصر بخت لکھنوی مرحوم خلف چھوٹے صاحب عالم بہادر تلمیذ آغا منظر صاحب مرحوم باالالتزام ہر مہینے صحبت مشاعرہ منعقد فرماتے تھے اور ہر شاعر کے مکان پر خود وعدہ لینے جاتے تھے چیدہ چیدہ شعرا مشاعرے مین جمع ہوتے تھے۔

ایک مشاعرے مین خواجہ صاحب کو بھی جانے کا اتفاق ہوا آپ نے عذر کیا کہ محض وعدے کے سبب سے مین چلا آیا ہون لیکن غزل کہنے کا اتفاق نہو سکا صاحب مشاعرہ نے فرمایا یہ عذر بارد قبول نہو گا آپ صرف ایک مطلع پڑھ دیجیے۔ آپ نے اُسی وقت ایک مطلع پڑھا جسکی حاضرین نے بیحد تعریف کی وہ مطلع یہ ہے۔ جناب خواجہ عشرت فرماتے ہین۔

مطلع

باغ جہان مین ہم نہ کبھی شادمان رہے
شبنم کی طرح عمر بھر آنسو روان رہے

سبحان اللہ۔

جناب قدر بلگرامی

جناب قدر بلگرامی نے عجب باذاق طبیعت پائی تھی متانت کے ساتھ ظرافت کی چاشنی بھی اُنکے کلام فصاحت التیام میں پائی جاتی تھی ایک مرتبہ آپکو کچھ بانسوں کی ضرورت پڑی بہت جگہ تلاش کر لیے مگر نہیں ملے کسی نے کہدیا تحصیل میں بانس موجود ہیں۔ یہ سُنکر آپ نے منشی جواہر لعل صاحب تحصیلدار کی خدمت میں جو خود بھی شاعرانہ مذاق رکھتے تھے یہ رقعہ نظم کر کے بھیجا ہے

جناب منشی عالی گہر جواہر لعل
میں جس مکان میں رہتا ہوں سنیے اُسکا حال

جو دن کو دھوپ ہے سر پر تو رات کو شبنم
نہ چھت کہ تم سے کہوں مری جان کے لیے جنجال

تمام بانسوں کی تاڑ کھودن میں بانس چڑھے
اگر کہیں سے نہ اک بانس کا کیا اقبال

سُنا ہے آپ کی تحصیل میں ہیں بانس بہت
جہاں ہے گنج میں آئے تو وہاں ہے ٹال کی ٹال

مجھے بھی مرحمت کیجیے اُن میں سے اتنے ہی تو بانس
جو حکم دیجیے تو کٹ آئیں کچھ نہیں ہے محال

جو کچھ پڑیگی کٹائی ڈھلائی میں حاضر
قرار بر لطف آزادگان نہ گیرد مال

بُرا ہو یا تو بُرا ماننے کی بات نہیں
نہ آپ جیسے نکلے امیر ایسے اور نہ میں کنگال

جواب دیجیے گا جب تک نہیں ہے قدر کو چین
نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال

اِس نظم کو پڑھکر تحصیلدار صاحب بانس تو کیا اپنے آپ کو نذر کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور کمال عزت اور قدردانی فرمائی فوراً اپنے چپراسیوں کے معرفت بانس کٹوا کر ضرورت سے بھی زیادہ بھجوا دیے۔

جناب عیشؔ و سراج لکھنوی

شیخ فدا علی عرف اچھے صاحب عیشؔ شاگرد میر دوست علی خلیل مشاہیر شعرائے لکھنؤ مین سے تھے۔ جبکہ گوہر نامی ایک طوائف کی کسی جوہری نے بصرف زر خطیر مستی کی تھی اور اس نے اکثر شعرائے شہر کی اس خوشی مین بڑی دھوم سے دعوت کی تھی مگر شامت اعمال سے عیشؔ مرحوم کو دعوت دینا بھول گئی اس موقع پر آپ نے ایک قطعہ تاریخ نظم فرمایا کہ ماده تاریخ یہ ہے ؎

قطعہ

مستی مل کر جبکہ گوہر گوہر ابلق بنی جوہری کا صرف زر کے دل تہ و بالا کیا
رنگ کیا اپنا جمایا مصرعہ تاریخ نے خوب ہی گوہر کا اس مستی نے منہ کالا کیا

اس کے بعد وہ طوائف در دولت پر حاضر ہوئی نہایت معذرت کی مگر کیا ہوتا ہے۔ وقت از دست رفتہ و تیر از کمان جستہ باز نمی آید۔

ایک خاص بے تکلف جلسہ مین ایک بائی جی مہمان تھین۔ باتین کرتے کرتے دو چار بار آئینہ اٹھایا دیکھا پھر رکھ دیا آئینہ دیکھ کر ہر شخص کا ہاتھ بڑھ جاتا ہے نہ کہ ایسے لوگ جنکا آئینہ خاص تکیہ ہو جاتا ہے وہ آئینہ نہ دیکھین تو کون دیکھے۔ دیکھنے والون نے نظر لگا دی۔ کسی مست شباب کے ہاتھ سے آئینہ گرا اور ٹوٹ گیا۔ حجاب دل مین ضرور ہوا۔ مگر غرور حسن ناز اور شوخی نے شرم کو دور کر دیا۔ اور تیوریون پر بل ڈال کے یہ کہا کہ ہم کیا کرین۔ ہاتھ سے آئینہ چھوٹا اور گر کے ٹوٹ گیا۔ ہوگا اب اور

منگوائیے۔ ایک چوٹ کھائے ہوئے دل پر اس کا اثر ایسا ہوا کہ بیساختہ یہ شعر زبان سے نکل گیا ؎

شعر

شیشۂ دل توڑ کر بولا وہ شوخ
دیکھتے تھے چھوٹ پڑا ہم کیا کریں

یہ واردات دل تھی اور شاعری میں ایک حد تک اظہار حال دل میں کچھ باک نہیں ہوتا چاہئے وہ واقعی ہو لیکن فرضی سمجھا جاتا ہے اس وجہ سے میں جرأت کرکے شاعر کا نام بتاتا ہوں۔ سراج الحسن صاحب تخلص سراج۔ مولد و مسکن خاص لکھنؤ ابھی بہت نوعمر ہیں۔ یہ انکی ابتدائی سب سے پہلا شعر غالباً یہی ہو مگر ؎

شعر

بچپن سے اُن کی آنکھ میں شوخی بلا کی ہے
بجلی میں ابتدا سے تڑپ انتہا کی ہے

اُس وقت تک کسی ملنے والے کو یہ گمان تک نہ تھا کہ اُنھوں نے کوئی مصرعہ کبھی موزون کیا ہے اب تو مشاق ہو چلے ہیں۔ اور مشاعروں میں غضب ڈھاتے ہیں۔ ماشاء اللہ چشم بد دور۔ خوب کہتے ہیں۔

تمام شد

جناب حسرت لکھنوی و بیخود

سندیلہ کا سالانہ مشاعرہ ۱۹۱۷ء کا تھا خاکسار مؤلف معہ حضرات بیخود موہانی یاس عظیم آبادی ۔ ندرت ۔ وحید میرٹھی ۔ حسرت لکھنوی ۔ واقف لسوانی ۔ ایک ہی گاڑی مین سوار ہوا ۔ باہم شعر و سخن کا چرچا تھا ۔ ایک دوسرے سے اشعار سننے سنانے کی فرمایشین ہو رہی تھین ۔ ناگاہ مری نگاہ ایک ایسی صورت سے دوچار ہوئی کہ بے اختیار دل بھر آیا اور بیساختہ زبان سے نکل گیا ۔ ع

اے گل بتو خورسندم تو بوے کسی داری

گو راستے بھر شعر و شاعری کے چرچے رہے مگر مجھے کسی کو نگاہ حسرت سے بار بار دیکھتے دیکھ کر جناب حسرت نے (سبب استفسار) کیا چونکہ انتہائی بے تکلفی تھی مین نے اپنی اضطرابی کیفیت کا مختصر قصہ اور وجہ پریشانی بیان کردی ۔ کہ یہ صورت ایسی مرغوب و محبوب سے مشابہ ہے کہ اسکی گذشتہ وفائین یاد آ آ کے مجھے بیتاب کئے دیتی ہین ۔ چنانچہ مری یاس آمیز تقریر سننے کے بعد پیارے حسرت نے یہ بے مثل شعر نظم کیا جو اسوقت کی حالت کا سچا فوٹو کہا جا سکتا ہے وہ شعر یہ ہے ۔

کسی کی تصویر جو ملی ہے تو دل مین اک ہوک سی اٹھی ہے
نگاہ کچھ اس طرح بھی ہے کہ جیسے نا آشنا نہین ہے

جناب بیخود بھی مجھے بار بار دیکھ رہے تھے اور بجائے اسکے کہ مجھ سے کچھ استفسار کرتے ہوے اضطراب کی یون تصویر کھینچتے ہین ؎

نکلا کسی طرح نہ مری تیوریون کا بل
اک خط پڑا تھا جو خط تقدیر ہو گیا

افسوس کہ مرا لب بند تھا ورنہ مین بیخود کا منہ موتیون سے بھر دیتا ۔

سلونا و مشتری

نادر شاہ جب دہلی سے ایران جانے لگا اُسوقت ہندوستان کے بہت سے باکمالون کو اپنے ساتھ لیگیا منجملہ اُنکے مساۃ سجا بائی و سلونا بھانڈ جو اپنے اپنے فن کے یکتا ئے زمانہ تھے انکو بھی لیگیا ایک دن محفل رقص و سُرود مین بائی جی سے بے انتہا خوش ہوا۔ پوچھا کیا چاہتی ہے اس نے ہاتھ باندھکر عرض کی کہ لونڈی آزاد کردی جائے اسکو ہندوستان آنے کی اجازت دیدی گئی ۔میان سلونا اور بائی جی کی ایسے موقعون پر بڑے طرح نوک جھونک ہوا کرتی تھی ۔ بائی جی کے چلے جانے سے اسکا جی گھبرانے لگا دوسرے دن اس نے بھی اپنے جوہر کمال دکھائے بادشاہ نے اس سے بھی ایسا ہی سوال کیا تو کہتا کیا ہے ؎

خواہش یہ مختصری ہی قصہ تو طول ہی   بائی نہین رہی تو سلونا فضول ہی

غرضکہ انکی بھی رہائی ہوئی۔ (بزرگون سے سُنا ہے)

مُشتری طوائف لکھنؤ کی رہنے والی میان شمس کی فیض صحبت نے جسکی شاعری کو چمکا دیا تھا ایک محفل مین غزل گا رہی تھی جب اُس نے مقطع کا یہ شعر گایا ؎

خریدار بازار مین پھر رہے ہین   دل مشتری اب بکا چاہتا ہے

کوئی صاحب بول اُٹھے بی صاحبہ ایک شعر آپ بھول گئین اس نے کہا ہان اب آپ بتائیے اونھون نے یہ کہا ؎

حمل تو مہینے کا ہے مشتری کو   کوئی دم مین بچہ ہوا چاہتا ہے

اس نے کہا ہان حضرت ایک شعر اور بھی بھولی تھی وہ بھی سُن لیجئے ؎

بھلا خوش نہ ہو کیسے تم ای برادر   کہ ہمشیر زادہ ہوا چاہتا ہے

بیچارے اپنا سا مُنہ لے کے رہ گئے

اُمراؤجان ادؔا

اُمراؤجان اداؔ جسکی سوانح عمری مرزا سودا نے لکھی ہے ایک موقع پر وہ لکھتے ہیں کہ امراؤجان نواب سلطان جہان کو جو لکھنؤ کے معزز نواب زادون مین سے تھے۔ صورت و سیرت مین بھی بے نظیر تھے پیار کرتی تھی وہ بھی اس کے حسن لیاقت تمیز داری کے اوپر جان فدا کئے ہوئے تھے۔ مگر کسی وجہ سے نواب صاحب نے اُسکے ہان آنا جانا بالکل ترک کر دیا۔ ایک دن کسی محفل مین اتفاقیہ سامنا ہو گیا۔ بی امراؤ کو چھ مدتون کے بعد نواب صاحب کی زیارت نصیب ہوئی بھری محفل مین اور تو کوئی موقع نہ ملا اشارہ دن سے کچھ شکوے گلے کر لیے مگر اس سے جی کا بخار کہان نکلتا ہے امراؤجان نے وہین کہین ایک پرچہ کاغذ کا مل گیا اوسی پر کوئلے سے ایک شعر لکھ کر رکھ چھوڑا۔ ایک لڑکا جو نواب کی بغل مین بیٹھا ہوا تھا۔ جب وہ ادھر کسی ضرورت سے اُٹھ کر آیا۔ اس نے اشارہ سے بلا کر وہ کاغذ دیا اور کہا میان نواب سلطان جہان کو یہ کاغذ دیدینا۔ یہ لڑکا شاید نواب کا چھوٹا بھائی تھا اُس نے جب نواب کو لا کر وہ کاغذ دیا۔ اونھون نے جو دیکھا تو شعر لکھا تھا ؎

شعر

مدتون سے ہم ہین محروم عتاب
بزم مین آج اُن کو چھیڑا چاہیے

دیکھ کر نواب صاحب اوٹھ گئے اور گھر جا کر دوسرے دن آدمی بھیجکر اپنے ایک بے تکلف دوست کے گھر بلوا بھیجا اور اُس تاریخ سے برابر اُمراؤجان سے وہین ملتے رہے اور دونون کو ایک دوسرے سے لطف صحبت کا مزا آتا رہا۔

مؤلف کتاب ہذا صفدر مرزاپوری

ایک دن راقم الحروف کرمی محمد انعام اللہ خان صاحب عارف منصرم کمشنری کے مکان پر بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ پرنس فلک ناز محمد باقر علی خان کے مشاعرے کا ذکر تھا۔ اسی سلسلہ بیان مین جناب عارف نے فرمایا کہ کل نوروز ہے آپ جناب فلک کے لیئے ایک قطعہ تاریخ ضرور کہیئے۔ مین نے عرض کیا بہت بہتر۔ اُسی وقت ایک قطعہ تاریخ نظم کر کے حضرت عارف کو سُنایا جسے موصوف نے بے انتہا پسند فرمایا دوسرے دن جناب فلک کی خدمت مین یہ قطعہ پیش کیا اُنھون نے بھی بے انتہا پسند فرمایا اور کسی قدر اُس کا صلہ بھی عطا فرمایا قطعہ تاریخ یہ ہے

صبح سے حاضر در عالی پہ ہے نوروز آج ۔۔۔ نور افزا ہو یہ دن یارب نظر افروز ہو

نذر دے یہ مصرعہ تاریخ صفدر لکھ کے تو ۔۔۔ اے فلک تجھکو مبارک روز یہ نوروز ہو

مؤلف کتاب ہذا ۱۹۰۱ع مین ایسا سخت بیمار پڑا۔ کہ حکیمون و ڈاکٹرون نے بالکل جواب دیدیا۔ خود اپنی زندگی سے یاس ہو گئی۔ موت کی بھیانک صورت آنکھون مین پھرنے لگی اُسی حالت سراسیمگی و مایوسی مین یہ ایک شعر کہہ کر اپنے ایک دوست کو لکھا تھا کہ میرے لوح مزار پر کندہ کرا دیجیے گا۔ وہ شعر یہ ہے

جو آگئے ہو تو وہ بول فاتحہ پڑھ دو
مزار صفدر رنا شاد دیکھتے کیا ہو

خاتم الطبع

کتبہ حافظ محمد عبد الرحمن

مرزا نوشہ غالب

جناب شوکت بلگرامی اردوئے معلی بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء مین یون رقم طراز ہین کہ میرے ایک بزرگ نے مجھسے بیان فرمایا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ایک دفعہ مع چند احباب مین دہلی مین مرزا غالب کی ملاقات کو گیا یہ وہ زمانہ تھا کہ مرزا قوت سماعت سے بے بہرہ ہو چکے تھے۔ دوات قلم کاغذ ہر وقت سامنے رکھا رہتا تھا اور جو حضرات ملنے آتے تھے وہ اپنا مدعا لکھکر پیش کرتے تھے چنانچہ جسوقت ہم لوگ اُنکی خدمت مین پہنچے تو حسب عادت اُنھون نے دوات قلم کاغذ آگے بڑھا دیا اور فرمایا۔ ارشاد۔ مین نے لکھا کہ ہم لوگ آپ کا کلام بلاغت نظام آپ کی زبان فیض ترجمان سے سُننا چاہتے ہین یہ دیکھکر فرمایا بہت اچھا اور اسکے بعد سمجھائین کیا دکھلائین کیا غزل سنانی شروع کی اور جب یہ مقطع پڑھا کہ ؎

پوچھتے ہین وہ کہ غالب کون ہے — کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائین کیا

تو فرمایا کہ کچھ سمجھے بھی ہم نے (اس خیال سے کہ ہم جو سمجھے ہین اگر وہ اُنکا منشا نہ ہوا تو بگڑ بیٹھینگے) عرض کیا کہ مطلق نہین سمجھے۔ اسپر مسکرا کر فرمایا۔ ہان نہین سمجھے ہو سُنو۔ ایک زمانہ ہوا جب وہان گئے تھے جلتے ہو کہان؟ عرض کیا نہین کہنے لگے ابھی وہین اپنے معشوق کے پاس مگر یہ اُس زمانہ کا ذکر ہی جب ہم چلتے تھے یعنی جوان سر پر بال تھے گھنی داڑھی تنا ہوا سینہ بھرے بھرے بازو چمپئی رنگ تھا نگاہ اُٹھا دیکھتے تھے تو آنکھون سے شعلے نکلتے تھے۔ چلتے تھے تو در و دیوار دہلتے تھے اُسوقت کے کہہ رکھی پھر کب گئے۔ اب جب کہ آنکھون مین نور دل مین سرور نہ رہا۔ سماعت مین فرق آگیا۔ کمر جھک گئی۔ اب ہمکو اس ہیئت کذائی مین دیکھ کر ؎

پوچھتے ہین وہ کہ غالب کون ہے — کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائین کیا

تمام شد

میر انیس مرحوم

یہ مشہور قصہ ہے کہ میر انیس مرحوم نے بچپن میں ایک بکری پالی تھی جسکو بہت چاہتے تھے جب وہ مری تو انکو بہت ملال ہوا اور اُسکے مرنے پر یہ شعر فرمایا۔

افسوس کہ دنیا سے سفر کر گئی بکری — آنکھیں تو کھلی رہ گئیں اور مر گئی بکری

سنا ہے کہ جب انکے والد کو خبر ہوئی تو ہونہار بیٹے کو بلا کے مکرر اس شعر کو پڑھوایا۔ تعریف سے دل بڑھایا اور خوشی میں کہ صاحبزادے نے پہلے پہل شعر کہا ہے اپنے بیگانوں میں مٹھائی تقسیم کی اور بڑی دھوم دھام سے انیس مرحوم کے شاعری کی یہ بسم اللہ ہوئی۔

میر آغا حسین صاحب جو عمائدین دہلی میں سے ہیں اور اب غالباً حیدرآباد دکن میں تشریف رکھتے ہیں۔ بیان فرماتے تھے کہ میں ایک دفعہ حالت مرض الموت میں میر انیس مرحوم کی عیادت کو گیا معلوم ہوا کہ زنان خانہ میں تشریف رکھتے ہیں اطلاع کی تو پردہ کروا کے مجھے بلا لیا۔ اندر گیا تو دیکھا کہ میر صاحب مرحوم لحاف سے منہ ڈھانپے لیٹے ہوئے ہیں اور میر نفیس مرحوم سرہانے بیٹھے ہیں میں بھی انہیں کے پاس بیٹھ گیا اور اور پکار کے پوچھا کہ میر صاحب مزاج کیسا ہے۔ میر صاحب نے لحاف کے اندر ہی سے فرمایا

ضعف و ناطاقتی و تشنگی و عالم غش — ایک ہچکی سے ہوائی کے بڑھا کیا کیا کچھ

چونکہ انکی خدمت میں گستاخ تھا اسلئے بیباکانہ عرض کیا کہ حضرت یہ تو آپ میر مرحوم کی زبانی اپنا حال بیان فرما رہے ہیں۔ یہ سُنکے میر صاحب نے منہ سے لحاف ہٹایا چند سکنڈ تک بغور میری طرف دیکھتے رہے اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کے یہ مطلع فی البدیہہ فرمایا۔

ملتفت آہ نہ ہوا کوئی سوا درد و الم — تیغ پیہم سے بھی تنکا جو بچا اور کیا ہو گئے

حضرت امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ

جناب شوکت بلگرامی اردوئے معلیٰ ماہ نومبر ۱۹۱۱ء میں یوں
یوں رقم طراز ہیں کہ میرے جلیل القدر دوست حافظ جلیل حسن صاحب
جلیل بیان فرماتے تھے کہ حضرت کو بچپن ہی سے شاعری کا چسکا تھا یہ خبر جب
انکے والد ماجد کو پہنچی۔ ایکدن شب کو جبکہ منشی صاحب مع حضرت کے بیٹھے پاؤں دبا رہے
تھے۔ انکے والد ماجد نے پوچھا کہ میاں ہم نے سنا ہے کہ تم شعر کہتے ہو ذرا ہم بھی تو
سنیں کہ ہمارا امیر کیسا شعر کہتا ہے۔ یہ سنکر پہلے تو امیر مرحوم بہت انکار کرتے
رہے مگر شفیق باپ کے محبت آمیز اصرار سے مجبور ہو کر عرض کیا کہ گھر میں سب
لوگ کہا کرتے ہیں کہ برسات گزری جاتی ہے اور بارش نہیں ہوتی
اسی مضمون کو لکھا ہے اور اس تمہید کے بعد یہ شعر جو حضرت نے اسی زمانہ
میں تصنیف فرمایا تھا عرض کیا کہ ؎

ابر آتا ہے ہر بار برستا نہیں پانی
اس غم سے ہے یارو مرے اشکوں کی روانی

یہ سن کے شفیق باپ نے تعریف سے دل بڑھایا کہ بھئی شعر تو بہت صاف ہے
اور مضمون بھی سچا۔ لیکن تمہارا سن ابھی اس مشغلہ کے لئے موزوں نہیں
پہلے اچھی طرح لکھ پڑھ لو پھر شعر کہنا یہ روایت اس زمانہ کی ہے جب منشی صاحب
کا سن پندرہ برس کا تھا ممکن ہے کہ اس کے قبل آپ نے اور بھی شعر
کہے ہوں لیکن عموماً لوگوں کو جو انکی شاعری کا حال معلوم ہوا وہ اسی واقعہ
سے پندرہ برس کے لڑکے کا خیال تو آپ سن چکے اب لیجئے چونتیس برس
کا مشاق سخن کیا کہتا ہے سنہ ۱۳۱۸ھ کا واقعہ ہے کہ جب امیر صاحب

مرحوم نے حیدر آباد کا سفر کیا جو حقیقتاً اونکا سفر آخرت تھا تو راہ مین ایک مسدس اعلیٰ حضرت حضور نظام خلد آشیان کے مدح مین تصنیف فرمایا تھا جو نظم امیری کے نام سے چھپ چکا ہے اور وہ بھی اُن کا آخر کلام سمجھا جا سکتا ہے لیکن حقیقتاً اسکے بعد بھی اُنھون نے ایک غزل کے چند شعر کہے تھے جسکا مقطع جو حقیقت مین امیر مرحوم کی شاعری کا مقطع ہے اُنکا انتہائے کلام ہے اور وہ یہ ہے ؎

شعر

شاعری مین امیر کے خاطر
میر اپنی زبان چھوڑ گئے

افسوس ہے کہ میر رہے نہ اُن کی زبان خالی باتین رہگئی ہین ہائے مجھے اُستاد مرحوم کا یہ کہنا کسی طرح نہین بھولتا ؎

شعر

ہے آج جو سرگذشت اپنی
کل اُسکی کہانیان بنین گی

جناب عارف و فصیح

مکرمی مولوی محمد انعام اللہ خان صاحب عارف منصرم کشنری لکھنؤ۔ فصیح الملک حضرت داغ مرحوم کے ارشد تلامذہ مین سے ہین۔ موصوف کے پاس ایک مرتبہ راجہ محمود آباد نے بطور تحفے کے اپنے باغ کی دسہریان بھیجین جنکی رسید مین آپ نے ایک پھڑکتا ہوا شعر فی البدیہہ لکھکر بھیجا۔ جو ادرج ذیل ہے ؎

اٹھائین لطف وہ برسات مین مسہری کے
جنھون نے آم کھلائے ہین دسہری کے

جناب عارف کے ایک عزیز دوست مولوی احسان احمد صاحب نے نیا مکان تعمیر کرایا اور موصوف سے تاریخ کی فرمایش کی۔ آپ نے فی البدیہہ یہ ذیل کا قطعہ موزون فرمایا ؎

ہے درفیض پر خانہ احسان آباد
راتدن دادودہش راتدن افزایش داد

مین نے یہ داد طلب مصرع تاریخ کہا
مرے اللہ رہے خانۂ احسان آباد

سنہ ۱۳۳۴ھ ہجری

مولوی فصیح اللہ صاحب فصیح سندیلوی ایکدن اپنی خاص ضرورت سے اپنے کسی دوست کے پاس گئے۔ جو سوال وہ اُنسے کرنیوالے تھے وہی سوال اُنھون نے اُنسے کیا۔ یہ اپنے دل مین بہت شرمائے اور اُنسے معذرت کی اُسی وقت یہ شعر اِن کی زبان سے نکل گیا ؎

قسمتون سے کوئی ہمدرد جو ملتا ہے کبھی
وہ بھی کم بخت مصیبت مین گرا ہوتا ہے

خواجہ مجدالدین ہمگر و حضرت سعدیؒ

ایک دن خواجہ شمس الدین صاحب دیوان امیر معین الدین حاکم روم ملک افتخار الدین کرمانی اور ملا نور الدین صدری باہم صلاح کرکے خواجہ مجدالدین ہمگر کے پاس آئے جو حضرت سعدی علیہ الرحمتہ کا جلیل القدر معاصر تھا اور شیخ علیہ الرحمتہ کے کلام پر محاکمہ کی درخواست کی جواب میں مجد ہمگر نے یہ رباعی پڑھی ؎

ماگرچہ بہ نطق طوطی خوش نفسیم — بر شکر گفتہ ہائے سعدی مگسیم
در شیوہ شاعری بہ اجماع اُمم — ہرگز من و سعدی بہ امامی نرسیم

رفتہ رفتہ یہ رباعی سعدی علیہ الرحمتہ تک بھی جا پہنچی آپ کی سیف زبانی تو مشہور ہے آپ نے اُس کے جواب میں ایک رباعی کہی جو چار دانگ طرف مشہور ہو گئی وہ رباعی یہ ہے ؎

ہر کس بہ بارگاہ سامی نرسد — از بخت سیاہ و بدکلامی نرسد
ہمگر کہ بعمر خود نکردہ است نماز — شک نیست کہ ہرگز بہ امامی نرسد

ایک دفعہ خواجہ شمس الدین جو حضرت سعدی علیہ الرحمتہ کا بڑا معتقد تھا تبریز سے پانچ سو دینار نذر اپنے غلام کے ہاتھ آپ کی خدمت میں ارسال کیے راہ میں غلام ناکام نے ڈیڑھ سو دینار خود ہضم کر لیے وہ جانتا تھا کہ شیخ چشم پوشی کرے گا اور کچھ نہ کہے گا آپ نے دیکھا کہ پانچ سو لکھے ہیں اور غلام ساڑھے تین سو دیتا ہے بجائے رسید یہ قطعہ لکھ دیا ؎

خواجہ تشریف فرستادی و مال — مالت افزون باد و خصمت پائمال
ہر دیناریت سالے عمر باد — تا بمانی سیصد و پنجاہ سال

جناب مخلص و پیام آرزو و ثابت کا مزار فیض الانوار مولانا ناصر علی پر جانا

راجہ انند رام مخلص لکھتے ہین کہ سنہ ۱۱۵۲ھ مین ہم یاران دیرینہ مانند پیام اور آرزو یار ثابت اور دیوانہ وغیرہ مزار فائض الانوار حضرت قطب الاقطاب خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے واپس چلے آرہے تھے۔ برسات کا مہینہ تھا چارون طرف سڑک کے سبزۂ خود رو عجب بہار دے رہا تھا پھیان پھیان پھوار برس رہی تھی۔ یاران صادق اور دوستان موافق خوش طبعیان کرتے فی البدیہ اشعار کہتے قدرتی بہار کی سیر کرتے رتھ مین میٹھے چلے آرہے تھے کہ بہار کے قافیہ پر آرزو بولے ؎

چو کان لعل بہوش است خون من دایم
پئے جنون نبود حاجت بہار مرا

پیام شیرین کلام نے فرمایا ؎

ترا بجون گل و لالہ با مغان سوگند
ز آشیان مکن آوارہ در بہار مرا

بہت دیر تک سب اس شعر کی داد دیتے رہے جب میرا نمبر آیا تو مین نے کہا ؎

بہرزہ نیست دلم را شکایت از صیاد
قفس گرفتہ بہ گل آخر بہار مرا

جب ہم مولانا ناصر علی مغفور کے مزار پر پہنچے تو سب نے فاتحہ پڑھ کر پھر شعر خوانی شروع کی سراج الدین علی خان آرزو مزار کی طرف منہ کر کے بولے

کہ یہ بزرگ اپنے زمانہ کے ہنگامہ آرا اور شورِ محشر تھے اگر اہل دل تھے تو اب بھی کچھ اپنی کرامت دکھائیں اور ضیافتِ طبع فرمائیں کیونکہ ؏

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ابھی یہ فقرہ ختم نہ ہوا تھا کہ مولانا کے مزار پر مولسری کے درخت پر ایک کوئل اس خوش آوازی اور دردناکی سے کوکی کہ ہم لوگوں کے دلوں پر اثر ہوا۔ اور سب حاضرین کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور دو چار کو وجد ہو گیا۔ اور آرزو تو بیہوش ہو کر گر پڑے ہیں نے مولانا کا یہ مطلع بے اختیار پکار کر پڑھا ؎

خاک گردیدیم و میر قصد ہنوز افغان ما
خم شکست اما نمی ریزد مئے جوشان ما

اس شعر نے اور بھی آگ پھونک دی اور قیامت صغریٰ قائم کر دی ایک دوسرے کو لپٹ لپٹ کر روتے تھے اور مزار کے گرد پھرتے تھے بڑی دیر تک مولانا ناصر علی مغفور کے اس فیضان نے ہم سب کو مست و بیخود بنائے رکھا بارے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

شعر

بر سرِ تربتِ ما چون گذری ہمت خواہ
کہ زیارت گہِ رندانِ جہان خواہد بود

(اردوئے معلیٰ)

مشاطۂ سخن

یہ کتاب جسکا تاریخی نام شمع سخنوری بھی ہے اپنی نوعیت کے
سے دنیائے ادب مین پہلی کتاب ہے جسمین مسلم الثبوت اور کامل ال
اساتذہ کی اصلاحین بڑی محنت اور کاوش سے تلاش کرکے یکجا کردی گ
ہین اور اصلاحین بھی اُن باکمال بزرگون کی جنکا حرف حرف قابل سند
ناسخ۔ آتش۔ اسیر۔ ذوق۔ غالب۔ مومن۔ منیر۔ نسیم دہلوی۔ نواب عاشو
عاشور۔ مفتی میر عباس۔ خلیق۔ انیس۔ دبیر۔ امیر۔ داغ۔ تسلیم۔ جلا
لطافت۔ شوق قدوائی۔ جلیل۔ ریاض وغیرہ کی اصلاحین ان شاگر
پر جو خود بھی ملک مین نامور سخنور اور استاد مان لئے گئے ہین مثلاً برق ا
خواجہ وزیر پر ناسخ۔ رند و صبا پر آتش۔ امیر و حکیم پر اسیر نسیم دہلوی پر مو
مولانا حالی پر غالب۔ مونس و نفیس پر انیس ریاض و جلیل کو خود امیر کی اصل
خاص طور پر قابل دید ہین۔ اس لاجواب کتاب کی ترتیب یون ملحوظ
گئی ہے پہلے شاگرد کا شعر پھر استاد کی اصلاح۔ آخرین توجیہ کہ
کیون اصلاح دی گئی لکھی گئی ہے۔ اب یہ نادر کتاب بہت جلد زیو
سے آراستہ ہوکر جلوہ آرائے بزم ادب ہوا چاہتی ہے۔ مشتاقا
سخن جلد اپنی درخواستین بھیجین۔ اسکی اشاعت کا خاص اہتمام کیا گیا
قیمت عہ علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ

صفدر مرزا پوری۔ محلہ محمود نگر
لکھنو